علمی | اَدبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

ایڈیٹر

طارق جاوید عارفی

tariqfanbintariq@gmail.com



شمارہ:11 | جلد:23 | نومبر 2014ء/محرم الحرام 1436ھ

مجلس ادارت

حافظ عبدالوحید سوہدروی | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ صلاح الدین یوسف
محسن فارانی | حافظ عبدالعظیم اسد | حافظ عبدالخالق | محمد ارسلان حجازی

مجلس مشاورت

مولانا ارشاد الحق اثری | حافظ عبدالستار حماد | محمد انیس الرحمٰن
مولانا عمر فاروق سعیدی | حافظ آصف اقبال

مجلس نظامت

عکاشہ مجاہد (مدیر منتظم) | عبدالغفار مجاہد | قمر الحمید فیصل علوی
حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد ندیم | محمد اعظم یٰسین

آرٹ اینڈ ڈیزائن

ہارون الرشید (آرٹ ڈائریکٹر) | عبدالرافع (گرافک ڈیزائنر) | حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)

قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

اس شمارے میں

اداریہ	حکومت وی آئی پی کلچر کے خاتمے کا عملاً اعلان کرے	چیف ایڈیٹر	5
تجلیات قرآن	ہدایت اور گمراہی کے رستے	محمد نعمان فاروقی	9
انوار حدیث	گھر کہاں بنایا جائے	مولانا عمر فاروق سعیدی	13
اشاعت حدیث	غیر مشہور مگر حسن ومقبول روایات	ابوعلی	16
دفاع حدیث	مشہور ومعروف مگر ضعیف یا من گھڑت روایات	محمد عثمان منیب	17
احکام و مسائل	ماہِ محرم اور یوم عاشورہ کے فضائل واحکام	محمد ارشد کمال	18
مکتوب امریکہ	حرم پاک میں مشاہدات	حافظ عبدالوحید سوہدروی	23
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	28
نقطہ نظر	شیعہ سنی تصادم کیوں اور تدارک کا لائحہ عمل	عطاء محمد جنجوعہ	33
تردید افکار باطلہ	ماہِ صفر منحوس نہیں ہے	طارق جاوید عارفی	36
مکتوب الریاض	حاتم طائی کی بستی میں	عبدالمالک مجاہد	39
معاشیات	نیٹ ورک مارکیٹنگ/ٹی ایز (ٹائز) انٹرنیشنل	حافظ عبدالسمیع	46
اسلامی دنیا	بنگال اور بنگلہ دیش	محسن فارانی	49
وفیات اعیان	رحلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا	محمد عظیم حاصل پوری	55
گوشۂ اطفال	بھوکی چڑیا کی فریاد	جمیل احمد اعوان	58
گوشۂ خواتین	میاں بیوی ایک دوسرے کا دل کیسے جیتیں	عائشہ صدیقہ	61
احوال وطن	لندن سازش اور دھرنوں کی غیر اسلامی سیاست	محسن فارانی	62
زبان و ادب	حدیثِ دیگراں	تنویر جمشید	67
عالمی منظر نامہ	یمن میں مجوسیوں کا ناسور	ابوضرار ملک	69
مشرق وسطیٰ	مشرق وسطیٰ بڑی جنگ کا اکھاڑا بننے والا ہے	محمد انیس الرحمٰن	72

ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہر مضمون کی ذمہ داری صاحب مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

ناشر محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

سرکولیشن منیجر: حافظ محمد حق نواز 057 66 88 332,300 92+
مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی 823 71 70 300 92+

برائے ایزی پیسہ:
محمد حق نواز
057 66 88 300 92+
شناختی نمبر
38404-0967643-1

آن لائن کرانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سالانہ زرتعاون
عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے
دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 40 روپے

پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36 لوئر مال، لاہور

حکومت وی آئی پی کلچر کے خاتمے کا عملاً اعلان کرے

عیدالاضحیٰ کے مبارک ایام میں جب پاکستان کے مسلمان عید کی خوشیوں میں مصروف تھے، اچانک سیالکوٹ نارووال سیکٹر میں بھارتی فوجیوں نے بلا اشتعال گولہ باری شروع کر دی۔ عیدالاضحیٰ جو مسلمانوں کا مقدس ترین تہوار ہے اس کے تینوں روز مسلسل بھارت کی طرف سے فائرنگ ہوتی رہی۔ کتنے ہی دیہاتوں میں عید کی خوشیاں اور قربانی کی رسم کو بالائے طاق رکھ کر اس علاقے کے لوگ نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ کم وبیش بیس ہزار لوگوں کو نقل مکانی کر کے محفوظ مقامات پر جانا پڑا۔ بڑی تعداد میں مکانات تباہ ہو گئے اور جائیداد کی تباہی کا صحیح اندازہ لگانا بڑا ہی مشکل ہے۔

پاکستان اور اس کے عوام کی بدقسمتی ہے کہ اسے ایک نہایت مکار دشمن سے واسطہ ہے۔ بھارت نے پہلے روز سے پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر آئے دن پاکستان کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ تنگ نظری، دھوکا دہی، شعبدہ بازی، جھوٹ اور منافقت ہندو قوم کے خمیر میں رچی بسی ہے۔ پاکستانی عوام بھی بڑے بھولے ہیں۔ وہ جتنا مرضی امن کی آشا کے نعرے بلند کریں، تنازعات کے حل کے لیے ڈائیلاگ کی بات کریں، اچھے پڑوسیوں کی طرح مل جل کر رہنے کی بات کریں، مگر بھارتیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ان کا خبث باطن کھل کر سامنے آتا رہتا ہے۔

بھارت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ کمزور لوگوں خصوصاً سول آبادیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں۔ مگر جہاں اور جس جگہ سے مزاحمت ہوتی ہے یا جو لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے ہوں، وہاں پر ہندو بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بھارتی حکومت کی طرف سے لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر یہ خلاف ورزیاں ایک بڑی سکیم کا حصہ ہیں۔ بھارت میں اس وقت مودی سرکار کی حکومت ہے جس کے بارے میں پوری دنیا جانتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا دشمن نمبر ایک ہے۔ گجرات میں جس طرح مسلمانوں کو شہید کیا گیا اس کے بارے میں ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ فی الحال تو انتہا پسند ہندوؤں کے پیش نظر فوری طور پر کشمیر میں ایک ہندو حکومت بنانا ہے، اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کو بھارتی آئین کی دفعہ 370 کے تحت جو اختیارات حاصل ہیں انھیں ختم کر کے کشمیر کو اکھنڈ بھارت کا حصہ بنانا ہے۔

مودی سرکار نے حکومت سنبھالتے ہی ان دونوں اہداف کے حصول کے لیے تگ و دو شروع کر دی ہے۔ مودی نے اپنے دست راست اور گجرات

فسادات کے مودی کے بعد نمبر دو مجرم ''امیت شا'' کو یہ مشن سونپا کہ آئندہ ہونے والے انتخابات میں کشمیر میں بھارتی جنتا پارٹی کا پرچم لہرانا چاہیے اور کشمیری پنڈتوں کے لیے الگ بستیاں بنا کر انھیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں وہاں آباد کیا جائے۔ مزید برآں مقبوضہ کشمیر میں اس آئینی پابندی کو بھی ختم کر دیا جائے کہ کوئی غیر کشمیری جائیداد نہیں خرید سکتا تاکہ زیادہ سے زیادہ ہندو کشمیر میں آباد ہوں اور یہاں آبادی کا تناسب (Demography) تبدیل ہو۔

مودی نے ہندو انتہا پسند تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کا ایک پرچارک بن کر اپنی پبلک لائف کا آغاز کیا۔ ترقی کرتے کرتے وہ بھارتیہ جنتا پارٹی کا ایک متحرک رکن بن گیا اور بالآخر مکمل یکسوئی اور میکاولی کی سکھائی ہوئی خودغرضی، سفاکی اور چانکیہ سیاست کے ذریعے گجرات کا وزیراعلیٰ بن گیا۔ یہاں اس نے معروف بھارتی صنعت کاروں اور بزنس ٹائی کونز کے ساتھ مل کر خاصے پراجیکٹس لگائے اور اس کے ساتھ ساتھ انتہا پسند ہندوؤں میں مقبول ہونے کے لیے آر ایس ایس کے ایجنڈے کو بھی جاری رکھا۔ گجرات کے فسادات کی یاد آج بھی مسلمانوں کے زخمی دلوں کو سلگا دیتی ہے۔ وہاں پر انتہا پسند ہندوؤں نے حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ مل کر ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا۔ ان کی فیکٹریاں، دکانیں اور مکانات جلائے۔ مسلمانوں پر کس طرح کی قیامت ڈھائی گئی۔

پھر یہ دن بھی آیا کہ ہزاروں مسلمانوں کا قاتل دنیا کی نام نہاد سب سے بڑی جمہوریت کا پردھان منتری بن گیا۔ ایسی بیک گراؤنڈ کے حامل شخص سے امن کی توقع رکھنا فضول ہے۔ ویسے بھی بھارت کے کارپوریٹ مافیاز نے مودی کو وزیراعظم بنانے کے لیے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بھارتی جنتا کو جو سپنے دکھائے تھے وہ جلد ہی ہوا ہو گئے اور حقیقت لوگوں پر آشکار ہونی شروع ہو گئی، اسی لیے زیادہ تر ضمنی انتخابات میں حکومتی جماعت کو ذلت آمیز شکست سے دو چار ہونا پڑ رہا ہے۔ اب مودی کی یہ کوشش ہے کہ پاکستان دشمنی کو ہوا دے کر اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال رکھا جائے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دنیا کے ایک تہائی غریب بھارت میں رہتے ہیں۔ چوراسی کروڑ لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ 64 کروڑ لوگ ایسے جنھیں باتھ روم کی سہولت میسر نہیں۔ لاکھوں خواتین ایسی ہیں جو محض دو وقت کی روٹی کے لیے جسم فروشی پر مجبور ہیں۔ ان حالات میں مودی صاحب جنگی جنون کو ہوا دینا چاہتے ہیں تو ان کی مرضی.....

بھارت کی اس حالیہ مہم جوئی کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ بھارتی اسٹیبلشمنٹ اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ پاکستانی فوج آپریشن ''ضرب عضب'' میں بری طرح مصروف ہے۔ دوسری طرف دو سیاسی مسخرے (کنٹینر برادران) پاکستانی ریاست اور حکومت کو کمزور کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اس لیے پاکستان پر ضرب لگانے کا یہ صحیح وقت ہے۔

ادھر صورت حال یہ ہے کہ پاکستان کے اپنے بے پناہ مسائل ہیں۔ ایک سیاہ روڈ کٹیٹر اور زرداری دور میں ان مسائل میں کئی گنا اضافہ ہو گیا، جب اس حکومت نے اقتدار سنبھالا تو ملکی معیشت تباہی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہو رہی تھی۔ پانچ سو ارب سے زائد کے گردشی قرضے سر پر تھے۔ کوئی ادارہ اپنے قدموں پر نہیں کھڑا تھا۔ ریلوے کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ آج بند ہوا کہ کل بند ہوا۔ ان حالات میں اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سال ڈیڑھ سال میں پاکستان کے مسائل حل کر دیے ہوتے، تو یہ دعویٰ قابل قبول نہیں۔ ویسے بھی حکومت کو پانچ سال کا مینڈیٹ ملا ہے ڈیڑھ سال کا نہیں۔ ڈیڑھ سال میں ایسے پیچیدہ مسائل کیسے حل ہو سکتے ہیں۔ حکومت جتنی مرضی کوشش کرے عوامی مسائل کی وجہ سے کچھ نہ کچھ غیر مقبول ضرور ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مسائل کی وجہ سے حکومت کی غیر مقبولیت کو کچھ لوگ عمران خان کی مقبولیت سمجھ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے وہ میڈیا پرسنز ہیں جو دن رات اس کا پرچار کر رہے ہیں۔ ان میں سے کئی افراد تو ایسے تھے جنھوں نے ٹیکو کریٹ سیٹ اپ کا حصہ بننے کے لیے شیروانیاں بھی سلوا رکھی تھیں۔ دھرنوں میں تو ان سب کو منہ کی کھانی پڑی، اب دن رات ان کی زبان پر ایک ہی تکرار جاری ہے کہ تاریخ ساز جلسے ہو رہے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ پنجاب کے لوگوں نے شہباز شریف کی کارکردگی دیکھ کر انھیں ووٹ دیے ہیں۔ اب اگلے الیکشن میں لوگ یہ دیکھیں گے کہ خان صاحب نے خیبر پختون خواہ میں کیا کارکردگی دکھائی ہے۔ پاکستانی حکومتیں عموماً وسائل کی کمی کا رونا روتی ہیں، مگر یہ پہلی حکومت ہے جو وفاق کی طرف سے فراہم کردہ بجٹ بھی خرچ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ صوبے میں امن و امان کی صورت حال انتہائی مخدوش ہے۔ باقی علاقوں کو تو چھوڑیں پشاور شہر میں کئی ایک کاروباری حضرات بھتہ دینے پر مجبور ہیں۔ حالات اس قدر خراب ہیں کہ معروف صحافی سلیم صافی کے بقول گزشتہ ہفتے دو صوبائی وزراء نے بھی بھتہ دے کر اپنی جان بچائی۔ پشاور منشیات فروشوں اور منشیات کے عادی افراد کے لیے پسندیدہ جگہ بن چکا ہے۔ جگہ جگہ نشئی پڑے نظر آتے ہیں لیکن صوبائی حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ان لوگوں کی زنبیل میں پیش کرنے کے لیے اور تو کچھ نہیں بس ملتان کا الیکشن ہے۔ اسی کا ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سیٹ تحریک انصاف ہی کی تھی جس میں اس کے امیدوار نے 83640 ووٹ لیے تھے۔ مسلم لیگ کے امیدوار نے 72000 اور پیپلز پارٹی کے امیدوار عامر ڈوگر نے 20000 کے قریب ووٹ لیے تھے۔ موجودہ الیکشن میں پیپلز پارٹی کے امیدوار نے چھ ہزار ووٹ لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے تو چھ ہزار ووٹ تھے باقی عامر ڈوگر کی ڈوگر برادری کے اپنے ووٹ تھے۔ اس الیکشن میں تحریک انصاف نے اپنا امیدوار کھڑا کرنے کی بجائے ایک ایسے امیدوار کو چنا جس کی اپنی برادری کا چودہ پندرہ ہزار ووٹ تھا۔ اب اس کے امیدوار نے 52000 ووٹ لیے۔ اگر اس کی برادری کا ووٹ نکال دیا جائے تو تحریک انصاف کے امیدوار کو بمشکل 35000 ووٹ ملے۔ یہ الیکشن تو تحریک انصاف کے لیے زندگی موت کا مسئلہ تھا۔ اس میں تجوریوں کے منہ کھول دیے گئے۔ لوگوں کو منہ مانگے دام دیے گئے۔ بزرگوں کی قبروں کے واسطے دیے گئے، منت سماجت کی گئی۔ پوری قوت صرف کر کے جلسے کا اہتمام کیا گیا، پھر بھی تحریک انصاف کے ووٹروں میں سے پچاس ہزار افراد نے تحریک انصاف کو ووٹ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر مسلم لیگ کا امیدوار ہوتا تو مسلم لیگ کے ووٹر اس حلقے میں ستر ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ ان کا امیدوار آسانی سے جیت جاتا۔

باقی رہی بات جاوید ہاشمی صاحب کے ہارنے کی، تو لوگ بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جاوید ہاشمی صاحب جب تحریک انصاف میں جا رہے تھے تو علاقے کے زعماء نے انھیں منع کیا تھا۔ اب وہ واپس تو آ گئے ہیں، لیکن سابقہ زخم بھرتے ہوئے کچھ تو وقت لگے گا۔

ایک اخباری اطلاع کے مطابق حکومت جاوید ہاشمی صاحب کو پنجاب کا گورنر بنانے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ ہاشمی کی جمہوریت کے لیے جو قربانیاں ہیں ان کے پیش نظر محبِّ وطن عناصر اس سوچ اور فکر کی تائید کریں گے۔ انھوں نے حالیہ دھرنا تحریک میں جس طرح جرأت اور بہادری کے ساتھ لندن پلان کو بے نقاب کیا ہے، بلاشبہ یہ ایک بہادر آدمی ہی کا کام ہے۔

اگست کے مہینے سے لے کر اب تک نام نہاد صحافیوں اور چینلز میں جس طریقے سے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حکومت کو بدنام کرنے کی سعی ناکام کی گئی ہے، اس کے باوجود ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ دور پراپیگنڈے کا دور ہے۔ اور بہت سارے لوگ ان چینلز کی وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ حکومت کے ترجمان کہاں سوئے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ ن کا میڈیا سیل اس دوران کیا کرتا رہا ہے۔ بعض الزامات کے جوابات بڑے سادہ اور آسان تھے، لیکن افسوس صد افسوس! کہ ان کے جوابات بھی فراہم نہ کیے جا سکے۔ سوشل میڈیا کے اوپر تحریک انصاف کا ہاتھ بھاری نظر آیا اور اس تصور کو اور مزید ہوا دی گئی کہ نوجوان پی ٹی آئی کے ساتھ ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں، یہ صرف سوشل میڈیا کا کمال ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بعض الزامات کے لیے خود میاں نواز شریف صاحب ٹی وی پر آتے اور آ کر بتاتے کہ ان کے بیٹے کون کون سا اور کتنا کاروبار کر رہے ہیں۔ پاکستان کے ہر بڑے چھوٹے کو ٹیکس دینا ضروری ہے۔ میاں صاحب کو اس سلسلے میں خود عمدہ مثال بننا چاہیے اور وہ پورے ثبوت کے ساتھ عوام کو بتائیں کہ انھوں نے اور ان کے کاروباری گروپ نے گزشتہ سال حکومت کو کتنے ٹیکس ادا کیے ہیں۔

موجودہ حکومت نے عوام کے ساتھ وی آئی پی کلچر کو بدلنے کے وعدے بھی کیے تھے، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں بھی کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ آج بھی پی آئی اے کی پروازیں وی آئی پی حضرات کے لیے تاخیر کا شکار ہوتی ہیں۔ کراچی ائرپورٹ پر جناب عبدالرحمان ملک اور نون لیگ کے ایک اقلیتی رکن اسمبلی کے ساتھ بپھرے ہوئے مسافروں نے جو سلوک کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ وی آئی پی کلچر سے کس قدر نالاں ہیں۔ گزشتہ ہفتے صدرِ پاکستان نے آنکھوں کے معائنے کے لیے راولپنڈی کے ایک کلینک میں جانا تھا، اس کے لیے گھنٹوں ٹریفک کا بند کرنا، دو ہیلی کاپٹروں کا شاہراہوں پر مصروفِ عمل رہنا اور لوگوں کا اس پر شدید ردعمل کا اظہار کرنا حکومت کے گراف کو نیچے لے جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں ایک وزیر کیا اس سے بھی نیچے سیکرٹری لیول کے افسران نے بھی گزرنا ہو تو اس کے لیے کتنا پروٹوکول اور لمبی مدت تک ٹریفک بند رکھی جاتی ہے۔ ہم حکومت سے کہیں گے: حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب میڈیا منہ زور گھوڑے کی طرح ہے۔ آپ اس کو قوت کے بل پر نہیں، دلائل کے زور پر قائل کر سکتے ہیں۔ خدارا اس وی آئی پی کلچر کو اب ختم ہی کر دیں۔ خود وزیراعظم، وزیراعلیٰ اور ان کے وفاقی وصوبائی وزراء اس کے لیے قربانیاں پیش کریں۔

جب سے نون لیگ کی حکومت آئی ہے منتخب وزیراعظم نے بہت سارے ملکوں کے دورے کیے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ دورے ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کیے گئے ہیں مگر جب ان کے اخراجات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ ایک ایسے ملک کے وزیراعظم کے بیرونی دوروں کے اخراجات ہیں جس کا ہر فرد ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا مقروض ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے ساتھ لوگوں کی فوج ظفر موج لے جانے کی بجائے چند آدمی وزیراعظم کے ہمراہ ہوں۔ اس میں آخر حرج ہی کیا ہے کہ وزیراعظم جو پاکستان کی امیر ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ وہ اپنے ذاتی اخراجات پر یہ سفر کریں اور بطور وزیراعظم تنخواہ لینے سے انکار کر دیں۔ وزیراعظم ہاؤس کا خرچہ بالکل معمولی سطح پر لے آئیں۔ زرداری کی ضیافت میں ستر کے بجائے دو تین کھانوں سے بھی کام چل سکتا تھا۔ اگر آپ عوام میں مقبولیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو سادگی اختیار کرنا ہوگی اور وی آئی پی کلچر سے باہر آنا ہوگا۔ ہم حکومت کے ذمہ داران اور نون لیگ کے عہدیداران سے بطور خاص کہیں گے کہ وہ لوگوں کے اندر گھل مل جائیں، ان کو اعتماد میں لیں، انھیں یہ شعور دیں کہ وہ انھی میں سے ہیں۔ اس طرح آپ لوگوں کو اپنے قریب کرنے میں اور اپنا ووٹ بینک بڑھانے میں کامیاب ہوں گے۔ اپنے مشیروں اور وزیروں پر گہری نظر رکھیں، وہ کون سا مشیر یا وزیر تھا جس نے بجلی کی اوور بلنگ کا مشورہ دیا تھا۔ ایک طرف دھرنا جاری ہے۔ ہر روز حکومت پر جھوٹے سچے الزامات لگ رہے ہیں۔ حکومت کمزور ہو رہی ہے، اس پر دباؤ بڑھایا جا رہا ہے اور دوسری طرف ہر گھر کو ناراض کرنے کے لیے بجلی کے بل ڈبل بلکہ اس سے بھی زیادہ بھجوا دیے گئے ہیں۔ ان حالات میں تو حکومت کو چاہیے تھا کہ وہ آدھے بل بھجواتی تاکہ لوگوں کو کچھ ریلیف مل سکے، لیکن ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کے اندر کچھ ایسی کالی بھیڑیں ہیں جو حکومت کو ناکام کرنا چاہتی ہیں۔ حکومت کو انقلابی اقدامات کرنا ہوں گے۔ لوگوں کو سہولتیں مہیا کرنا ہوں گی۔ مہنگائی کے جن کو قابو کرنا ہوگا، ورنہ آپ کے لیے پانچ سال حکومت کرنا مشکل ہو جائے گا۔

آپ کے خیرخواہ: پروفیسر محمد ذوالفقار، عبدالمالک مجاہد

قارئینِ ضیائے حدیث کو نیا اسلامی سال 1436ھ مبارک ہو

آج جن پُرآشوب حالات سے ہم گزر رہے ہیں، وہ یقیناً ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارے خالق و مالک کی ناراضی کا نتیجہ ہیں۔ ہماری مشکلات اور ناکامیوں کی وجہ یہ نہیں کہ عوام وخواص نے ہم سے عہدِ وفا نہیں نبھایا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے خالقِ حقیقی سے کیا ہوا عہدِ وفا بھول گئے ہیں۔ یوں ذلت وادبار ہمارا مقدر بن گئی ہے۔ آیئے سالِ نو کے آغاز پر ہم تجدید عہد کریں کہ ہم اپنے خالقِ حقیقی سے سچی وفا کرتے ہوئے ان تمام امور سے اجتناب کریں گے جو غضبِ الٰہی کا باعث بنیں اور ان نیک کاموں کی طرف آگے بڑھیں گے جو رحمتِ الٰہی کی برکھا برسائیں۔

ہدایت اور گمراہی کے راستے

اوران کے اختیار کرنے میں انسان کا کردار

محمد نعمان فاروقی

قسط: ①

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ



اللہ تعالیٰ نے ''صراط مستقیم'' سیدھے راستے کے مختلف پہلو قرآن مجید میں بیان کیے ہیں۔ ''صراط مستقیم'' ہے کیا؟ اس راستے پر گامزن ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اسے چھوڑنے کی وجوہات کیا ہیں؟ کب یہ راستہ اوجھل ہوتا ہے؟ اور کب کوئی انسان اس راستے سے کتنا دور چلا جاتا ہے؟ نیز ہدایت اور گمراہی کے راستے پر چلانے میں اللہ تعالیٰ نے کیا اصول جاری فرمائے ہیں؟

ان سوالوں کے جواب قرآن وسنت میں دیے گئے ہیں۔ ہم بالتفصیل ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

① راستہ ایک ہی ہے

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ ''اور بے شک یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اس کے پیچھے چلو اور کئی ایک راستوں کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمھیں اس (اللہ) کے راستے سے علیحدہ کردیں گے۔'' (الأنعام 6:153) سیدھا راستہ ایک ہی راستہ ہے۔ دوسرے راستے تو دراصل صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے ہیں۔ کئی لوگ کہتے ہیں: منزل ایک ہے اور راستے کئی ایک ہیں اور پھر وہ تقلیدِ ائمہ اربعہ کے چار راستے بتا کر اپنا موقف بتاتے ہیں مگر مذکورہ آیت ان کے اس موقف کی تردید کرتی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جس نے دیگر راستوں پر زندگی کا سفر شروع کیا وہ جادۂ حق سے اسی قدر دور ہوتا گیا۔ بھلا قرآن کی اس سچائی کو کون چیلنج کرسکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ توجیہہ کرسکتے ہیں کہ راستہ تو ایک ہی ہے مگر اس پر چلنے کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں۔ پھر اس کی مثال میں ان سنتوں کو پیش کیا جاسکتا ہے جو ایک ہی کام کو مختلف انداز سے کرنے کے سلسلے میں ثابت ہیں۔

مذکورہ آیت کی وضاحت نبی ﷺ نے حدیث میں بھی فرمائی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: «هٰذَا سَبِیلُ اللّٰهِ مُسْتَقِیمًا» ''یہ اللہ کا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے۔'' پھر اس لکیر کے دائیں بائیں کچھ لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا: «هٰذِهِ السُّبُلُ، لَیْسَ مِنْهَا سَبِیلٌ إِلَّا عَلَیْهِ



شَيْطَانٌ يَّدْعُو إِلَيْهِ» ''یہ (دیگر) راستے ہیں۔ ان راستوں میں سے ہر ایک راستے پر ایک شیطان ہے جو اس راستے کی طرف بلا رہا ہے۔'' (مسند أحمد: 465/1) بظاہر ان راستوں پر بڑی روحانی شخصیات نظر آتی ہوں پھر بھی یہ حدیث مبارکہ ہمیں ان راستوں سے دور رکھتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ ''حق کے بعد بس گمراہی ہی ہے۔'' (یونس 23:10) حق ایک ہی ہے اس کے بعد سب گمراہی ہے۔ حق ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے اس حق کو اپنانے کے لیے کسی موقع پر ایک سے زیادہ ثابت شدہ طریقے موجود ہوں۔ دلائل پوری طرح وضاحت کر رہے ہیں کہ راستہ ایک ہی ہے۔

② ''صراط مستقیم'' ہے کیا؟ اور اس میں کیا کیا آتا ہے؟

صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر جادہ پیما انسان اپنے خالق کی رضا پالیتا ہے۔ کیونکہ یہ راستہ اسی کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے۔ ہر کوئی اگر اپنی مرضی سے اللہ تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرے گا تو ظاہر ہے کئی ایک راستے بن جائیں گے اور صراط مستقیم کا فیصلہ کرنا دشوار ہوگا۔ اور تضاد اور باہمی اختلاف کی صورتیں سامنے آئیں گی۔

کسی نے یہ پرکھنا ہو کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہے کہ نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ حسب ذیل امور کو دیکھ لے، اگر اس میں یہ پائے جاتے ہیں تو وہ صراطِ مستقیم پر ہوگا۔

(ا) عبادت اور وہ بھی محض اللہ کی: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔'' (آل عمران 51:3) لہٰذا عبادت بھی کی جائے اور عبادت میں جو کچھ آتا ہے، مثلاً: دعا، پکار، عجز وانکسار، خوف و رجاء اور عبادت کی جملہ اقسام و انواع صرف اللہ کے لیے ہوں اور عبادت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے۔ بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس کا شریک ٹھہرانے سے فوراً ہی ''صراط مستقیم'' اوجھل ہو جائے گا۔

(ب) اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامنا: فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''اور جو کوئی اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو اسے صراط مستقیم کی ہدایت کر دی جاتی ہے۔'' (آل عمران 101:3) اللہ کو تھامنے کا مطلب ہے اس کی کتاب کو تھامنا اور اس کے دین پر قائم رہنا کیونکہ دوسری آیت میں «حَبْلُ اللّٰه» (اللہ کی رسی) کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے۔ اور ''حبل اللہ'' کی وضاحت حدیث مبارکہ میں یہ ہے: «أَبْشِرُوا فَإِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِاللّٰهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ فَتَمَسَّكُوا بِهِ، فَإِنَّهُ لَنْ تَهْلِكُوا وَلَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا» ''تمھیں بشارت ہو! یہ قرآن مجید ایک ایسی رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا تمھارے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اسے مضبوطی سے تھام لو کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے نہ تو تم ہلاکت سے دوچار ہو گے اور نہ کبھی راستے ہی سے ہٹو گے۔'' (السلسلة الصحيحة: 713)

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ ''ہاں! وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو ان کا رب انھیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انھیں اپنی طرف صراط مستقیم پر چلائے گا۔'' (النسآء 175:4)

(ج) اتباعِ رسول ﷺ: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ ''اور میری (نبی ﷺ) کی اتباع کرو۔ یہ صراطِ مستقیم ہے۔'' (الزخرف 61:43) کوئی شخص اتباعِ سنت کے راستے کو چھوڑ کر صراط مستقیم یا راہ ہدایت پر گامزن ہونا چاہے گا تو وہ کبھی منزل تک نہیں پہنچ پائے گا بلکہ روز قیامت ایسا ظالم شخص کہے گا: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ ''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا: ہائے کاش! میں رسول (محمد ﷺ) کے ساتھ راستہ اختیار کرتا۔'' (الفرقان 27:25)

غرضیکہ قرآن مجید اور حدیث وسنت ہی صراط مستقیم ہے۔ جو اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو قرآن وسنت کی مشعلوں سے روشن کر رہا ہے، اس کے سامنے صراط مستقیم واضح تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

یہ ممکن ہے کسی کے پاس قرآن وسنت کے کچھ دلائل بھی ہوں مگر پھر بھی وہ گمراہی میں ہو اس کی وجہ محض یہ ہوگی کہ اس نے قرآن وسنت کا من بھاتا مفہوم لیا ہوگا یا پھر وہ مفہوم دوسری

آیات یا احادیث مبارکہ سے ٹکراتا ہوگا۔

③ صراط مستقیم پر کیسے قائم رہا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ ''تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا نہ محروم رہے گا۔'' (طٰہٰ 123:20) اس حوالے سے بندۂ مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ جہاں سے بھی گزرتا ہو وہ اس سے وابستہ رہے۔ خواہ گزرگاہ مشکل ہو یا آسان، جی چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو، رفتار آہستہ ہو یا تیز۔ بس راہِ ہدایت سے چمٹا رہے۔ ادھر راستہ چھوٹا نہیں ادھر گمراہ ہوا نہیں۔ انسان کو زمین پر اتارتے ہوئے یہ ایک بنیادی اصول اسے سمجھا دیا گیا تھا۔

④ راہِ ہدایت سے دور ہونے کے اسباب

راہ ہدایت سے دور ہونے کے کچھ اسباب بھی ہیں:

(ا) خواہش پرستی: خواہشات کی غلامی انسان کو راہ راست سے دور ہٹا دیتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''(اے داود!) اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں اس صورت میں یہ آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی۔'' (صٓ 26:38)

(ب) زیب و زینت اور دیگر مشاغل میں مگن ہونا: اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ''اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوبصورت کر کے پیش کیے، چنانچہ انھیں سیدھے راستے سے روک دیا، لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے۔'' (النمل 24:27) ایک انسان کسی اچھے اور نیک کام کے لیے گھر سے نکلتا ہے مگر راستے میں کسی من بھاتی چیز، شخصیت یا کسی انوکھے کرتب کی طرف اس قدر متوجہ ہوجاتا ہے کہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ نیکی اسے بھول جاتی ہے یا اس کا موقع گزر جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح وہ شخص ہے جو دنیوی مشاغل میں اس قدر مصروف رہتا ہے کہ راہِ حق اسے سجھائی نہیں دیتا۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور لوگوں میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو فضول باتوں (پر مبنی چیزوں) کو خریدتے ہیں تاکہ (ان کے ذریعے) اللہ کے راستے سے ہٹا دیں۔'' (لقمٰن 6:31) موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ کے حضور عرض کی تھی: ''اے میرے رب! تو نے فرعون اور اس کے کارندوں کو زینت اور مال سے بھی نوازا ہے اس دنیا کی زندگی میں، اے میرے رب! اس لیے کہ وہ تیرے راستے سے ہٹائیں۔'' (یونس 88:10)

(ج) معبودانِ باطلہ کے وجود: اللہ کے سوا جن کی بھی پرستش ہوتی رہی ہے یا ہو رہی ہے، ان سب کے پیچھے تقریباً یہی سوچ کھڑی ہے کہ ان کی وجہ سے ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ کے متعلق تو قرآن نے گواہی دی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ ''ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے بہت قریب کر دیتے ہیں۔'' (الزمر 3:39) ہندو بھی اپنے بتوں کی پوجا بھگوان کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب معبودانِ باطلہ اللہ کے قرب اور محبت کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ ''اور انھوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ وہ اس کے راستے سے ہٹا دیں۔'' (ابراھیم 30:14) اللہ کے ساتھ دوسرے شرکاء مقرر کرنے والوں کے اس بارے میں جو بھی نظریات ہوں مگر اللہ نے یہی فرمایا ہے کہ ان معبودانِ باطلہ کے ذریعے سے وہ اس کی راہ سے لوگوں کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ جائزہ لیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ ایسے لوگ انھی معبودوں میں الجھ کر رہ گئے اور خالق حقیقی کو بھول گئے۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ ''میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا ہے۔'' (ابراھیم 36:14) یعنی لوگوں کا ان بتوں میں مگن ہوجانا انھیں راہِ ہدایت پر آنے نہیں دیتا۔

⑤ راہِ راست سے ہٹانے میں شیطان اور اس کے کارندوں کا کردار

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو قیامت تک کے لیے مہلت دی تو شیطان کہنے لگا: ﴿فَبِمَآ



اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ''اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔'' (الأعراف 16:7) الغرض! شیطان صراط مستقیم کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ انھیں مختلف مصروفیات میں الجھائے رکھتا ہے۔ اس کے باوجود بھی کوئی راہِ حق کا مسافر بن جائے تو شیطان گھات لگا کر صراط مستقیم میں بیٹھ جاتا ہے اور اہل ایمان سے ان کا ایمان لوٹتا ہے اور اس راستے سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے شیطان کے گھات لگانے کی یہ صورت بتائی ہے کہ شیطان ابن آدم کے مختلف راستوں میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے اسلام کے راستے میں بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ تو اسلام لائے گا اور اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دے گا؟ مگر یہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور اسلام لے آتا ہے۔ پھر وہ اس کی ہجرت کی راہ میں آبیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ تو ہجرت کرے گا اور اپنی سرزمین اور اپنا آسمان چھوڑ دے گا۔ پھر جہاد کی راہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تو قتال کرے گا پھر شہید ہوجائے گا۔ تیری اہلیہ سے کسی اور کی شادی ہوجائے گی، تیرا مال تقسیم ہوجائے گا، لیکن وہ شخص اس کی یہ بات بھی نہیں مانتا اور جہاد کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا شخص فوت ہوجائے یا ڈوب جائے، یا سواری سے گر کر مر جائے تو اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔'' (مسند أحمد: 483/3)

شیطان اسی قسم کے مختلف خیالات اور وسوسے ذہن میں ڈال کر ہر صورت ابنِ آدم سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا: ﴿وَلَاُضِلَّنَّهُمْ﴾ ''اور میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا۔'' (النسآء 119:4) گمراہ کرنے میں شیطان اکیلا نہیں بلکہ اس کے کارندے جنوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی شکل میں بھی موجود ہیں۔ اور وہ باقاعدہ اپنے مشن پر لگے ہوئے ہیں۔

* روز قیامت کافر کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا﴾ ''ہمارے رب! ہمیں وہ جن اور انسان تو دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تاکہ ہم انھیں اپنے قدموں کے نیچے کریں۔'' (حمٓ السجدة 29:41) یہ آیت پوری وضاحت سے اعلان کررہی ہے کہ شیطان کے گمراہ کرنے والے کارندے جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔

* انسانوں میں سے گمراہ کرنے والے اہل کتاب بھی ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ہے: ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ﴾ ''وہ گمراہی خریدتے ہیں اور ارادہ رکھتے ہیں کہ تم بھی راہ راست سے ہٹ جاؤ۔'' (النسآء 44:4) اس حوالے سے اہل کتاب نے بہت کام کیا ہے اور کررہے ہیں۔ اسلامی لٹریچر سے دور رکھنے کے مختلف ہتھکنڈے، خالص اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے کی تدابیر، خوف و ہراس کے ذریعے ہدایت سے دور رکھنے کی چارہ جوئی، پرکشش پیشکشوں کے پھیلے ہوئے جال، روشن خیالی اور آزادی کے نام پر فحاشی وعریانی کا فروغ یہ سب کچھ ان کے اسی ایجنڈے کا حصہ ہیں کہ مسلمانوں کو راہِ راست سے ہٹایا جائے۔

* وڈیرے بھی عام لوگوں کو راہِ راست پر نہیں آنے دیتے۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى﴾ ''اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں رکھا اور ان کی راہ نمائی (حق کی طرف) نہیں کی۔'' (طٰہٰ 79:20) اسی طرح جہنمی کہیں گے: ﴿اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ ''بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور وڈیروں کی فرمانبرداری کی تو انھوں نے ہمیں راستے سے ہٹا دیا۔'' (الأحزاب 67:33)

فرعون اپنی قوم کو گمراہی کے گڑھوں میں دھکیلتا رہا مگر اس کا اپنا دعویٰ یہی تھا: ﴿وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ ''اور میں تو بس صحیح راستے کی طرف ہی تمھاری راہ نمائی کرتا ہوں۔'' (المؤمن 29:40)

* علم سے دور رکھ کر فکری اغوا کی کوشش۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''اور بے شک بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اپنی خواہشات کے بل بوتے پر علم کے بغیر (دوسروں کو) گمراہ کرتے رہتے ہیں۔'' (الأنعام 119:6)

علم کے بغیر گمراہ کرنے والوں کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی انجان شخص کسی سے یہ جان کر راستہ پوچھے کہ اسے اس کا علم ہوگا اور وہ اپنی لاعلمی کو چھپاتے ہوئے اسے غلط راستے پر ڈال دے۔ اس سے اس کا سفر بھی مشکل ہوگیا اور وہ راستے سے بھی دور ہوتا چلا گیا۔

(جاری ہے)

شیخ الحدیث مولانا عمر فاروق سعیدی



گھر کہاں بنایا جائے؟

بلادِ مغرب میں رہائش کے خواہش مندوں کے لیے فکر انگیز تحریر

ہر نیا تشکیل
والا گھرانا اپنے
وسائل کے مطابق
بنانے کی فکر میں
ہے۔ یہ فکر ایک
عمرانی ضرورت
اہم فطری اور تمدنی
بھی۔ مخلوط گھر
میں بسا اوقات
جانے والی بے
سے نکلنے کا ایک
اور شرعی حل بھی
ہے کہ اپنا
علیحدہ گھر ہو۔
کے لیے آدمی
اور برسوں سوچ
کرتا ہے کہ
علاقہ، شہر یا محلہ
ماحول میرے
اقتصادی، معاشر
صلہ رحمی کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مناسب
رہے گا۔

ہمارے ملک میں گاؤں سے شہروں کی طرف انتقال آبادی کا ایک بڑا سبب معاش اور سہولیاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیمی ضروریات بھی ہوتا ہے۔

اس مسئلے میں شرعی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ بہترین رہنما ہے۔ سب سے پہلے سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہیں جن کا تذکرہ ماہ ذوالحجہ میں عقیدت سے سنا پڑھا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی دعا میں کہا تھا: ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسا دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ یہ نماز کی اقامت کرنے والے ہوں۔'' (ابراھیم 37:14)

اس میں رہنمائی ہے کہ سکونت و اقامت کے لیے بہترین مقام وہ ہے جہاں آدمی رب کی عبودیت تقاضے بخیر وخوبی سکے۔ اگر کوئی ظاہر اپنے کھلے ، عمدہ فضا، پانی یا اقتصادی ئی لحاظ سے یا اقارب کی کے لحاظ سے قدر ہی عمدہ اور رشک کیوں نہ وہاں دینی و تقاضے پورے نہ ہوں تو اس جگہ ول کو کسی طرح ابلِ رشک اور ترجیح قرار نہیں لکتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی خشک اور بے آباد وادی کا انتخاب اس لیے کیا اور اس کا انھیں مکلّف بنایا گیا کہ اس کا ماحول انتہائی باعظمت اور پُرحرمت ہے، نیز یہ لوگ یہاں عبودیتِ رب کا کماحقہ اہتمام کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ جو اسی بلد امین میں پیدا ہوئے، یہیں پلے بڑھے، یہاں کے چپے چپے سے آپ کو اُنس و محبت تھی، اور اس شہر کو «خیر أرضِ اللّٰه» اور «أحبُّ أرضِ اللّٰه» ہونے کا شرف حاصل تھا مگر جب



اسے اشاعتِ اسلام، دعوتِ توحید اور اہل ایمان کے لیے تنگ بنا دیا گیا تو انھیں یہ شہر چھوڑ دینے اور یہاں سے ہجرت کا حکم دے دیا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ ہمت و وسعت کے باوجود یہاں سے ہجرت کے لیے تیار نہ ہوئے تو وہ ہمیشہ کے لیے نشانۂ طعن بنا دیے گئے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰيهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيرًا﴾ ''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے۔'' (النسآء 97:4)

(اس عہد کے) جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا، ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات وظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں جیسے اس موقع پر ہجرتِ اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔ (تفسیر احسن البیان، النسآء 97:4)

شانِ نزول کے لحاظ سے یہ آیات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے متعلق ہیں اور ہمارے دینی حلقات میں یہ بحث بھی ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟ اور سلف و خلف میں یہ دونوں فکر موجود ہیں۔ ایک طبقہ مکہ مکرمہ کو اس کی خصوصیات کی وجہ سے افضل و اعلیٰ گردانتا ہے تو دوسرا مدینہ منورہ کو اولویت دیتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ہجرت فرمائی ہے۔ یہاں آپ کی مسجد ہے اور قبر مبارک بھی۔ وغیرہ وغیرہ

مگر یہ حقیقت انتہائی طور پر قابل توجہ ہے کہ جب مکہ سے ہجرت کا حکم دیا گیا تھا تو اس وقت یہ شہر دارِ شرک تھا۔ اہل ایمان کے لیے یہاں اُن کے دینی، ایمانی و عملی تقاضے پورے کرنا انتہائی ناممکن تھا۔ اور اس کے فتح کیے جانے سے پہلے تک مدینہ کی طرف ہجرت واجب تھی۔ مگر جب یہ فتح ہو گیا۔ شرک و مشرکین کی بیخ و بُن اکھاڑ دی گئی اور یہ دارالاسلام بن گیا تو فرمایا: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ» ''فتح مکہ کے بعد اب (مکہ سے) ہجرت نہیں!'' (صحيح البخاري:2783) کیونکہ اب اس کا ماحول ایمان اور اشاعتِ اسلام کے لیے بجا طور پر قابل اطمینان تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اقامت کی ترغیب و تشویق ان ہی معانی کی بنیاد پر ہے کہ یہاں ایمان و عمل کی نمو ہوتی ہے۔ اسلام کے اس طویل عرصے میں ائمہ و فقہاء، صالحین اور دیگر لوگوں کی ایک بڑی تعداد حسبِ توفیق یہاں مقیم رہے ہیں۔ اور کچھ دوسروں نے یہاں کی اقامت کے بجائے اقصائے عالم میں اشاعتِ اسلام، خدمتِ مسلمین اور جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے یہاں کے فضائل کے بالمقابل دوسری فضیلتیں حاصل کی ہیں۔ اس لیے ان مبارک شہروں میں رہنے والوں کو خواہ وہ یہاں مختصر عرصے کے لیے قیام کریں یا طویل مدت تک کے لیے، غور کرنا چاہیے کہ یہاں رہتے ہوئے وہ اپنی ثروتِ ایمانی و عملی میں کہاں تک اضافہ کر پائے ہیں۔ بے عمل آدمی کے لیے یہاں کی اقامت کسی طرح مفید نہیں ہوگی بلکہ وبال ہوگی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علاقوں اور شہروں کا معاملہ بھی انسانوں کی طرح ہے، کہ آدمی نیک و صالح ہو تو اللہ کا مقرب و محبوب ہوتا ہے لیکن اگر یہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے تو راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی کافر و فاسق توبہ کر کے موحد اور پابندِ شریعت بن جائے تو انتہائی برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسجد کفار کے تسلط میں آجائے اور وہ اسے شراب خانہ یا قمار خانہ بنا ڈالیں تو وہ «أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا» ''اللہ کے ہاں سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں۔'' (صحيح مسلم: 671) کا مصداق نہ رہے گی اور نہ وہاں عبادت ہی کی جا سکے گی۔ اس کے برخلاف کسی شراب خانے اور بت خانے وغیرہ کو مسجد میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین جگہ قرار پائے گی۔ الغرض بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: «إِنَّمَا يَكُونُ الْأَفْضَلُ فِي حَقِّ كُلِّ إِنْسَانٍ حَسْبَ التَّقْوٰى وَالطَّاعَةِ وَالْخُشُوعِ وَالْخُضُوعِ وَالْحُضُورِ» ''ہر آدمی کے حق میں وہی جگہ سب سے افضل ہے جہاں وہ تقویٰ شعار اور اطاعت کیش ہو، خشوع و خضوع اور

حضوریِ رب کا کما حقہ اظہار کر سکے۔'' جناب سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کا آپس میں بھائی چارہ تھا۔ جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے سلمان رضی اللہ عنہ کو دعوت دی کہ آیئے ارضِ مقدس (شام) میں تشریف لے آیئے تو انھوں نے انتہائی خوبصورت جواب دیا: «إِنَّ الْأَرْضَ لَا تُقَدِّسُ أَحَداً إِنَّمَا يُقَدِّسُ الْعَبْدَ عَمَلُهُ» ''زمین اور علاقہ کسی کو مقدس (مطہر اور پاکیزہ) نہیں بناتا۔ مقدس بنانے والا تو اس کا اپنا ایمان و عمل ہوتا ہے۔''

(مؤطا امام مالك: 1459)

مدینہ منورہ ہی میں رہتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: «رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ» ''اللہ کی راہ میں ایک دن مورچہ بند رہنا دیگر مقامات کے مقابلے میں ایک ہزار دن سے بہتر ہے۔''

(جامع الترمذی: 1667) چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ نے بھی یہی سمجھا تھا: «مَوْقِفُ سَاعَةٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ عِنْدَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ» ''اللہ کی راہ (جہاد) میں مورچہ بند ہونا (بیت اللہ میں) حجر اسود کے پاس لیلۃ القدر کا قیام کرنے سے بہتر ہے۔''

(السلسلة الصحيحة: 1068)

الغرض یہ اور اس طرح کی دیگر تعلیمات کی روشنی میں ہمارے لیے بہترین رہنمائی ہے کہ سکونت و رہائش اور کاروبار وغیرہ کے لیے افضل ترین مقام وہی ہے جہاں آدمی کا اپنا اور اس کے بال بچوں کا دین، ایمان، عمل اور اخلاق محفوظ رہیں اور ان پہلوؤں سے اضافہ ہو اور صلہ رحمی کے حقوق بھی بخوبی ادا ہوتے ہوں۔ اس لیے جو لوگ محض مادی اور معاشی مفادات کی چکاچوند کی وجہ سے مغربی ممالک کے دھڑا دھڑ ویزے لے رہے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ ان عیسائی، یہودی اور دہریہ لوگوں کے مادر پدر آزاد ماحول میں جہاں اسلامی، اخلاقی و دینی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان کا ادھر منتقل ہونا یا طول طویل اقامت اختیار کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ہاں مختصر مدت کے لیے تعلیم یا کاروبار وغیرہ کے لیے جانا ہو تو بلاشبہ جائز ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 2857)

اللہ و رسول ﷺ کے ہاں بندے کی قیمتی ترین متاع اس کا دین و ایمان ہی ہے۔ عام حالات میں تو تلقین ہے کہ آدمی معاشرتی و اجتماعی زندگی گزارے اور اس کی مشکلات پر صبر اور ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن اگر دین و ایمان ہی داؤ پر لگتا ہو تو یہ آبادیاں اور اجتماعات اور قرابتیں چھوڑ دینا ہی افضل اور مطلوب عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «يُوشِكُ أَنْ يَّكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ» ''عنقریب مسلمان کے لیے بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی، وہ ان کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر گھومتا پھرے گا، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگتا پھرتا ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 19) اس حدیث میں بنیادی نکتہ ''اپنے دین کا تحفظ'' ہے۔ مدینہ منورہ یا مکہ اور حجاز کی فضیلت بھی اسی بنیاد پر ہے کہ یہاں کا ماحول دین و ایمان پر ہے۔

بقیہ: ٹی ایز (ٹائمز)

یعنی سالانہ پچاس ہزار لوگ اس کمپنی میں شامل ہو رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ تیز رفتاری سے ہر سال ڈبل ہونا شروع جائیں تو چند سالوں میں یہ اسکیم اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ پاکستانی آبادی سے بہت بڑھ جائے گی اور انھیں مزید ممبر نہ مل سکنے کی وجہ سے یہ کمپنی اپنی موت آپ مر جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے کئی کمپنیاں ختم ہو چکی ہیں۔

اس کے علاوہ چند باتیں حل طلب ہیں۔ ٹی ایز کمپنی کے ممبران ان کے حل میں ہماری مدد کریں۔

① پہلی بات جو سمجھ سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ ٹی ایز کمپنی کی پروڈکٹ کی خریداری کے لیے اس کمپنی کا رکن ہونا کیوں ضروری ہے؟ اگر یہ عام چیزیں ہیں تو عام لوگ ان کی خریداری کیوں نہیں کر سکتے؟

② فائیو سٹار بننے کے بعد ہر ماہ 50PV (5000) کی کمپنی پروڈکٹ کی خریداری کیوں ضروری ہے؟

③ 8 سٹار ممبران کو جب گاڑی دی جاتی ہے تو ان کے ساتھ یہ ایگریمنٹ کیوں کیا جاتا ہے کہ آپ نے 89000 کی انسٹالمنٹ ہر ماہ تب تک جمع کروانی ہے جب تک آپ براؤنز لائن نہیں ہو جاتے؟

کیا یہ سب شریعت کی رو سے درست ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی قمارانہ اور تباہ کن اسکیموں کے فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.

غیر مشہور مگر حسن و مقبول روایات

ابو علی

① مقامِ صحابہ اور وسطِ جنت کا حصول

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «أَكْرِمُوا أَصْحَابِي، فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، أَلَا مَنْ سَرَّهُ بَحْبُوحَةُ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ، وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ» ''میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سب سے بہتر ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر جھوٹ عام ہو جائے گا، یہاں تک کہ آدمی قسم طلب کیے بغیر قسم کھائے گا، گواہی مانگے بغیر گواہی دے گا۔ اچھی طرح سن لو! جو شخص پسند کرتا ہے کہ جنت کے وسط میں مقام حاصل کرے تو وہ جماعت سے وابستہ رہے کیونکہ تنہا شخص کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ اور (ایک کی نسبت) دو آدمیوں سے زیادہ دور ہوتا ہے۔ نیز کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے کیونکہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ جس شخص کو اس کی نیکی خوش کر دے اور اس کی برائی اسے بری لگے تو وہ (کامل) مومن ہے۔''

(السنن الكبرىٰ للنسائي: 388,378/5، حديث: 9222-9224، والسلسلة الصحيحة: 430)

② پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مصیبت زدہ (بیمار) کے کان میں کچھ پڑھا تو وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا تھا؟ انھوں نے عرض کی: میں نے ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا.....﴾ سے لے کر آخر سورت تک (سورۂ مومنون کی آخری چار آیات) پڑھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ أَنَّ رَجُلًا مُوقِنًا (مُؤْمِنًا) قَرَأَ بِهَا عَلَى جَبَلٍ لَزَالَ» ''اگر کوئی شخص ایمان و یقین کے ساتھ ان (آیات) کو کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ (اپنی جگہ سے) ہل جائے۔'' (مسند أبي يعلىٰ، حديث: 5045 شیخ البانی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید شیخ سلیم بن عید ہلالی نے الأذكار للنووي اور عمل اليوم والليلة لابن السني کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے۔)

③ ذمہ داری کی اہمیت و حساسیت

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: «وَيْلٌ لِّلْأُمَرَاءِ، وَيْلٌ لِّلْعُرَفَاءِ، وَيْلٌ لِّلْأُمَنَاءِ! لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا، يَتَجَلْجَلُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَأَنَّهُمْ لَمْ يَلُوا عَمَلًا» ''اُمراء کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔ ناظمین کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔ امانت رکھنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔ روزِ قیامت یہ لوگ خواہش کریں گے کہ ان کی پیشانیاں ثریا کے ساتھ لٹکی ہوتیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان حرکت کرتے رہتے لیکن وہ کسی کام کی ذمہ داری اور سرپرستی قبول نہ کرتے۔'' (شرح السنة للبغوي: 60,59/10، حديث: 2468، شیخ زبیر علیزئی رحمہ اللہ نے مشکاۃ (3698) کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے۔)

محمد عثمان منیب



مشہور و معروف مگر ضعیف یا من گھڑت روایات

«عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عُثْمَانُ: وَكَانَتْ لِأَبِيهِ صُحْبَةٌ قَالَ: فَذَكَرَهُ مَرْفُوعًا وَفِي رَجَبَ حَمَلَ اللّٰهُ نُوحًا فِي السَّفِينَةِ، فَصَامَ رَجَبَ، وَأَمَرَ مَنْ مَعَهُ أَنْ يَّصُومُوا، فَجَرَتْ بِهِمُ السَّفِينَةُ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، آخِرَ ذٰلِكَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، أَهْبَطَ عَلَى الْجُودِيِّ، فَصَامَ نُوحٌ وَّمَنْ مَّعَهُ وَالْوَحْشُ، شُكْراً لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ وَفِي عَاشُورَاءَ أَفْلَقَ اللّٰهُ الْبَحْرَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ وَفِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ تَابَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى آدَمَ۔ وَعَلٰى مَدِينَةِ يُونُسَ، وَفِيه وُلِدَ إِبْرَاهِيمَ» ''عبدالعزیز اپنے والد سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بیان کرتے ہیں..... اور رجب میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کشتی پر سوار کیا تو انھوں نے رجب کے روزے رکھے اور اپنے ساتھیوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم دیا۔ کشتی ان کو لے کر چھ ماہ تک چلتی رہی۔ اس کا آخری دن یوم عاشورہ تھا جس روز وہ جودی پہاڑ پر ٹھہری، چنانچہ اس روز نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں حتی کہ درندوں نے بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔ عاشورہ کے روز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑا۔ عاشورہ کے روز اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی طرح قوم یونس کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اسی روز ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔

تحقیق وتخریج: موضوع، اس روایت کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ احادیث ضعیفہ: 5413 میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں عثمان بن مطر متروک راوی ہے۔ اور اس کا استاد عبدالغفور بن عبدالعزیز ابوالصباح الواسطی بھی اسی درجے کا ضعیف ہے۔ یاد رہے کہ متروک راوی وہ ہے جس کے جھوٹ اور ناقابل اعتبار ہونے کی وجہ سے محدثین نے اس سے روایت لینا ترک کردی ہو۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَغَيْرِهِ مَرْفُوعًا مَنْ وَّسَّعَ عَلٰى عِيَالِهِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهِ» ''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھلا خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے سارا سال کھلا رزق عطا کرے گا۔''

تحقیق وتخریج: ضعیف، اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الإیمان: 366/3 میں ابوہریرہ، ابوسعید خدری، عبداللہ بن مسعود اور جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں، تاہم ایک دوسرے سے مل کر قوت حاصل کرلیتے ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ الضعیفہ، رقم: 6824 میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور کہا ہے: اس کے تمام طرق اتنے شدید ضعیف ہیں کہ محدثین کے قواعد کے مطابق ایک دوسرے کو تقویت نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ ہر سند میں کوئی نہ کوئی روای متروک ہے۔ اس لیے یہ روایت قطعاً درست نہیں۔



محمد ارشد کمال

ماہِ محرم اور یومِ عاشورہ

کے فضائل واحکام

ماہِ محرم قمری سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ بڑی عظمت اور فضیلت والا مہینہ ہے۔ اس کے فضائل اور اس کے روزے دو طرح کے ہیں: ① عام، یعنی پورے ماہِ محرم کے فضائل اور اس کی کسی بھی تاریخ کو رکھے جانے والے روزے کے فضائل۔ ② خاص اس کے ایک دن اور اس کے روزے کے فضائل اور وہ ہے دس محرم جسے یوم عاشورہ بھی کہا جاتا ہے۔

ماہِ محرم کی فضیلت

ماہِ محرم ان چار مقدس ومحترم مہینوں میں سے ہے جنھیں قرآنِ مجید میں ﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ﴾ (البقرة 194:2) ﴿الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ (التوبة 5:9) اور ﴿اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (التوبة 36:9) کہا گیا ہے جبکہ احادیث میں ان کی وضاحت یوں ہے: ''سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جبکہ چوتھا رجبِ مضر ہے جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان میں پڑتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 4662)

ماہِ محرم کی فضیلت وعظمت کو واضح کرنے کے لیے حدیث میں اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ» ''ماہِ رمضان کے بعد سب مہینوں سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔'' (صحيح مسلم: 1163) اس حدیث پاک میں ماہِ محرم کو تشریفاً شہراللہ، یعنی اللہ کا مہینہ کہا گیا ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس کی فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ کسی خاص چیز کی نسبت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے جیسے کعبہ کو ''بیت اللہ'' (اللہ کا گھر)، سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ''ناقۃ اللہ'' (اللہ کی اونٹنی) اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''روح اللہ'' اور ''کلمۃ اللہ'' کہا گیا ہے۔ انھی نسبتوں کی طرح ماہِ محرم کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے اسے ''شہراللہ'' قرار دیا گیا ہے۔

ماہِ محرم کو ایک یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ سن ہجری، یعنی نئے اسلامی سال کا آغاز اسی ماہِ محترم سے ہوتا ہے اور یہ بات محتاج بیان نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود سے لے کر آج تک پوری امت اس پر متفق چلی آرہی ہے کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم ہے، لہٰذا یہ

«أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ» ''ماہِ رمضان کے بعد سب مہینوں سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔''

اسے ایک ایسی منفرد فضیلت حاصل ہے جو دوسرے مہینوں میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے کہا: آپ لوگ تاریخ کیوں نہیں وضع کر لیتے؟ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریخ مرتب کرنے کا ارادہ کیا۔ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یا وفات سے آغاز کیا جائے؟ لہٰذا جب وہ آپ کی ہجرت کو اسلامی تاریخ کا نقطۂ آغاز مان لینے پر متفق ہوگئے تو ماہِ رمضان کو اس کا پہلا مہینہ قرار دینے لگے پھر انھیں خیال آیا کہ ماہِ محرم ہی کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا جائے۔ (تاریخ خلیفه بن خیاط، ص: 14، امام محمد بن سیرین تک اس کی سند صحیح ہے)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہی کا بیان ہے کہ یمن سے ایک شخص آیا۔ اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے یمن میں ایک چیز دیکھی ہے جسے تاریخ کہا جاتا ہے۔ لوگ اسے فلاں سال اور فلاں مہینے سے لکھتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو بہت اچھی چیز ہے، لہٰذا تم بھی تاریخ مقرر کرو۔ پھر تاریخ کے متعلق لوگوں کو مشورہ کے لیے جمع کیا گیا۔ کسی نے کہا: ولادتِ نبوی سے اس کا آغاز کریں۔ کسی نے کہا: بعثت سے۔ کسی نے کہا ہجرت سے۔ جبکہ کسی نے وفات نبوی سے تاریخ کا آغاز کرنے کا مشورہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہجرت ہی سے اسلامی تاریخ کا آغاز کرو۔ پھر سوال اٹھا کہ کس مہینے کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا جائے؟ تو کسی نے کہا: رجب کو کیونکہ اہل جاہلیت بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ کسی نے ماہِ رمضان کا نام لیا۔ کوئی کہنے لگا: ذوالحجہ کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا جائے کیونکہ اس میں حج کیا جاتا ہے۔ کسی نے کہا کہ جس مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کسی نے کہا کہ وہ مہینہ جس میں آپ مدینہ پہنچے اسے اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محرم سے ابتدا کرو کیونکہ ایک تو یہ حرمت والا مہینہ ہے اور دوسرا عربوں کے ہاں بھی یہی مہینہ اول گردانا جاتا تھا۔ پھر یہ لوگوں کی حج سے واپسی کا مہینہ بھی ہے۔ لہٰذا محرم ہی کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ (تاریخ دمشق: 45/1، و فتح الباری: 336/7، امام محمد بن سیرین تک اس کی سند صحیح ہے)

خلاصہ کلام

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تاریخ کا مسئلہ سامنے آیا تو مختلف آراء کے بعد بالاتفاق ہجرت نبوی کو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح مہینے کے سلسلے میں بھی ماہِ محرم ہی کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں، مثلاً:

- یہ حرمت والا مہینہ ہے۔
- لوگوں کی حج سے واپسی کا مہینہ ہے۔
- قدیم عربوں میں بھی محرم ہی کو اول مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''محرم کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ اس لیے قرار دیا گیا کہ ہجرت کا ابتدائے عزم محرم ہی میں ہوا تھا۔ کیونکہ بیعت عقبہ ذوالحجہ میں ہوئی یہی ہجرت کی تمہید اور اس کا محرک بنا۔ اس کے بعد پہلا ہلال، ہلالِ محرم ہی تھا تو اسی سے ابتدائے تاریخ مناسب تھی۔ بقول ابن حجر ذکر کی گئی مناسبات میں سے یہ سب سے قوی مناسبت ہے۔'' (فتح الباري: 335/7)

ماہِ محرم میں روزوں کی فضیلت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔'' (صحیح مسلم: 1163)

- سیدنا جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک فرض نماز کے بعد افضل نماز درمیانی رات کی نماز ہے اور رمضان کے بعد افضل روزے اللہ کے مہینے کے ہیں جسے تم محرم کہتے ہو۔'' (مسند أحمد: 342/2)

ان احادیث میں مطلق صومِ محرم کا ذکر ہے جس سے پتا چلا کہ یہ فضیلت عاشورہ کے علاوہ محرم کے دوسرے دنوں کو بھی شامل ہے۔ محرم کے پورے مہینے میں رکھے جانے والے روزے بڑی فضیلت کے حامل ہیں۔ البتہ یہاں ایک اشکال ہے کہ جب صیام محرم کو

رمضان کے بعد تمام مہینوں کے روزوں پر فضیلت حاصل ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا محرم کے بجائے شعبان میں بکثرت روزے رکھنے کا معمول کیوں تھا؟ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے دو جواب دیے ہیں: ① ممکن ہے کہ آپ کو محرم کی فضیلت کا علم آخر عمر میں ہوا ہو۔ ② یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کسی عارضے، مثلاً: سفر یا بیماری وغیرہ کی بنا پر محرم کی بجائے شعبان میں بکثرت روزے رکھے ہوں۔ (مسلم مع شرح النووی: 368/1)

یوم عاشورہ

یوم عاشورہ ماہِ محرم کے دسویں دن کو کہا جاتا ہے۔ اسے عاشور، عاشوراء، عاشورہ اور عشوراء بھی کہتے ہیں۔

یومِ عاشورہ کی فضیلت

یومِ عاشورہ کی فضیلت میں اگرچہ عوام الناس میں بہت ساری باتیں مشہور ہیں، تاہم صحیح روایات سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ

❁ یہ نیک دن ہے۔ ❁ یہ عظیم دن ہے۔ ❁ اس روز اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دلائی۔ (صحیح مسلم: 1130) ❁ یہود اس دن کی تعظیم کرتے اور اسے عید تصور کرتے۔ ❁ یہودیوں کی عورتیں اس روز خصوصی طور پر زیورات پہنتیں اور بناؤ سنگھار کرتیں۔ (صحیح مسلم: 1131) ❁ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس دن بطور شکرانہ روزہ رکھتے تھے۔ ❁ یہود بھی اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے روزہ رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم: 1130) ❁ دورِ جاہلیت میں قریش بھی اس دن روزہ رکھتے۔ (صحیح البخاري: 2002) ❁ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس دن روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاري: 2004) ❁ اس دن کعبہ پر غلاف بھی چڑھایا جاتا تھا۔ (صحیح البخاري: 1592)

یومِ عاشورہ کے روزوں کی فضیلت

❁ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ إِنِّيْ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ» ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عاشورہ کے روزے سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمادے گا۔'' (جامع الترمذي: 752)

❁ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عاشورہ کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دن کو افضل جان کر روزہ رکھا ہو سوائے یومِ عاشورہ کے اور نہ ہی آپ نے ماہِ رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہیں۔'' (صحیح مسلم: 1132)

صومِ عاشورہ کی حالتیں

عاشورہ کے روزے کی نبی ﷺ سے چار حالتیں مروی ہیں:

پہلی حالت

آپ ﷺ نے مکہ میں یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا، لیکن لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''دورِ جاہلیت میں قریش بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں بھی آپ نے روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر جس کا جی چاہا اس نے یہ روزہ رکھا اور جس کا جی چاہا اس نے چھوڑ دیا۔'' (صحیح البخاري: 2002) اس حدیث سے ایک تو یہ پتا چلا کہ نبی ﷺ نے مکہ میں عاشورہ کا روزہ رکھا تھا، تاہم اس وقت آپ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قریش مکہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے جس کی وجہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یوں بیان فرماتے ہیں: ''عاشورہ کے دن قریش کا روزہ رکھنا، ممکن ہے کہ انھوں نے اسے سابقہ شریعت سے اخذ کیا ہو، اسی لیے وہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے کعبہ کو غلاف بھی پہناتے تھے۔ میں (ابن حجر) نے ''مجالس الباغندی الکبیر'' کی تیسری مجلس میں پڑھا ہے کہ جناب عکرمہ سے اس کی بابت سوال ہوا تو انھوں نے کہا کہ قریش سے دورِ جاہلیت میں کسی بڑے گناہ کا صدور ہوا تو ان سے کہا گیا کہ تم عاشورہ کا روزہ رکھو اس سے گناہ کا کفارہ ہوگا۔ (فتح الباری: 312/4)

جہاں تک بات نبی ﷺ کے روزے کی ہے تو اس کے متعلق امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قریش کا روزہ رکھنے کا سبب شریعت ابراہیمی میں اس کا وجود بھی ہوسکتا ہے اور آپ ﷺ نے اس وجہ سے روزہ رکھا کہ اعمالِ

خیر میں مثلاً حج وعمرہ وغیرہ میں آپ ان کی موافقت کرتے تھے یا پھر اللہ تعالیٰ نے بعدازنبوت آپ کو اس کے فعل خیر ہونے کی وجہ سے اجازت دی ہو۔ ہجرت کے بعد جب یہود کے بھی روزہ رکھنے کی بابت علم ہوا تو صحابہ کرام کو بھی ان کے استیلاف کی خاطر روزہ رکھنے کا حکم دیا جس طرح قبلے کے مسئلے میں ان کی موافقت تھی۔ بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی اقتدا کی وجہ سے عاشورہ کا روزہ نہیں رکھا کیونکہ یہ روزہ تو آپ پہلے بھی رکھتے تھے۔

(فتح الباری: 314/4)

دوسری حالت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ کہنے لگے: یہ ایک اچھا دن ہے۔ اس میں اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا: ''میں موسیٰ کے (شریک مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔'' لہٰذا آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔ (صحیح البخاري: 2004)

مطلب یہ نہیں کہ آپ نے عاشورہ کے روزے کی ابتدا یہود کو دیکھ کر کی بلکہ ممکن ہے کہ آپ کو یہود کے اس وجہ سے روزہ رکھنے کا علم ہجرت کے بعد ہوا ہو تو آپ نے انھیں قریب کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہو، وگرنہ روزہ تو آپ پہلے بھی رکھتے تھے اور بعد میں بھی رکھا۔

❁ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: خیبر کے یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھ کر اسے عید بناتے اور اپنی عورتوں کو زیورات پہناتے اور ان کا بناؤ سنگھار کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس دن روزہ رکھو۔'' (صحیح مسلم: 1131) معلوم ہوا کہ یہود عاشورہ کے دن روزہ رکھ کر عید مناتے لیکن آپ نے صحابہ کو صرف روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

❁ سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: عاشورہ کی صبح نبی ﷺ نے انصار کے محلوں میں پیغام بھیجا کہ ''صبح جس نے کھا پی لیا ہو وہ دن کا باقی حصہ (روزے سے) پورا کرے اور جس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزے سے رہے۔'' ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر ہم اس دن روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو بھی رکھواتے، انھیں ہم اُون کے کھلونے دے کر بہلایا کرتے، جب کوئی کھانے کے لیے روتا تو وہ کھلونے ہی دیتے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔ (صحیح البخاري: 1960) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صومِ عاشورہ کے متعلق آپ کا تاکیدی حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو بھی یہ روزہ رکھوانے لگے تاکہ انھیں بھی اس کی عادت پڑ جائے۔

❁ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''نبی ﷺ نے قبیلہ بنو اسلم کے ایک آدمی کو لوگوں میں اس بات کے اعلان کا حکم دیا کہ ''جو کھا چکا ہے وہ دن کے باقی حصے میں کھانے سے رکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ یہ عاشورہ کا دن ہے۔''

(صحیح البخاري: 2007)

❁ سیدنا عبداللہ بن بدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کو فرمایا: «هٰذَا يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ فَصُوْمُوْا» ''یہ عاشورہ کا دن ہے۔ لہٰذا اس کا روزہ رکھو۔''

تیسری حالت

عاشورہ کے روزے کے متعلق تیسری حالت یہ ہے کہ جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس دن کا روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دے دیا، چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا تھا مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو اسے چھوڑ دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عاشورہ کا روزہ نہ رکھتے مگر جب ان کے روزے کے دن ہی یوم عاشورہ آن پڑتا (اس وقت رکھ لیتے۔) (صحیح البخاري: 1892)، یعنی معمول کے مطابق جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے روزے کا دن آتا، مثلاً: سوموار یا جمعرات وغیرہ اور اتفاقاً عاشورہ بھی اسی دن آن پڑتا تو آپ روزہ رکھ لیتے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عاشورہ اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک دن ہے جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔'' (صحیح مسلم: 1126)

❁ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں عاشورہ کے روزے کا حکم دیتے، اس پر آمادہ کرتے اور اس کا اہتمام

فرماتے، لیکن جب رمضان فرض ہوا تو نہ آپ نے ہمیں حکم دیا، نہ روکا اور نہ ہی اس کا اہتمام کیا۔ (صحیح مسلم: 1128) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماہِ رمضان کی فرضیت کے بعد نبی ﷺ نے عاشورہ کے روزے کے متعلق صحابہ کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ چاہیں تو اس کا روزہ رکھیں نہ چاہیں تو نہ رکھیں۔

چوتھی حالت

آپ نے اپنی حیات کے آخری دور میں اس بات کا پختہ ارادہ فرمالیا تھا کہ وہ اکیلا عاشورہ ہی کا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ اس کے ساتھ ایک دن اور ملائیں گے تاکہ اس سے اہل کتاب کی مخالفت رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس دن کی یہود و نصاریٰ بڑی تعظیم کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آئندہ سال ہم ان شاء اللہ نو محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔'' لیکن آئندہ سال سے پہلے ہی آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ (صحیح مسلم: 1134)

ضروری وضاحت

اس حدیث میں نصاریٰ کا بھی یوم عاشورہ کی تعظیم کرنے کا ذکر آیا ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی اس دن روزہ رکھتے ہوں اور یہ ان امور میں سے ہو جو ان کی شریعت میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس کے اکثر امور ایسے ہیں جو عیسیٰ کی شریعت سے منسوخ کردیے گئے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ''اور تاکہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکثر فرعی احکام نصاریٰ نے تورات ہی سے لیے ہیں۔ (فتح الباري: 4/315,314)

عاشورہ کا روزہ کب رکھا جائے؟

صوم عاشورہ کے متعلق راجح بات یہی ہے کہ یہ نو اور دس محرم کو رکھا جائے کیونکہ:

❁ نبی ﷺ نے دس محرم کا روزہ خود رکھا ہے اور اہل کتاب کی مخالفت کے لیے نویں کے روزے کی خواہش فرمائی جیسا کہ اوپر احادیث میں گزر چکا ہے۔

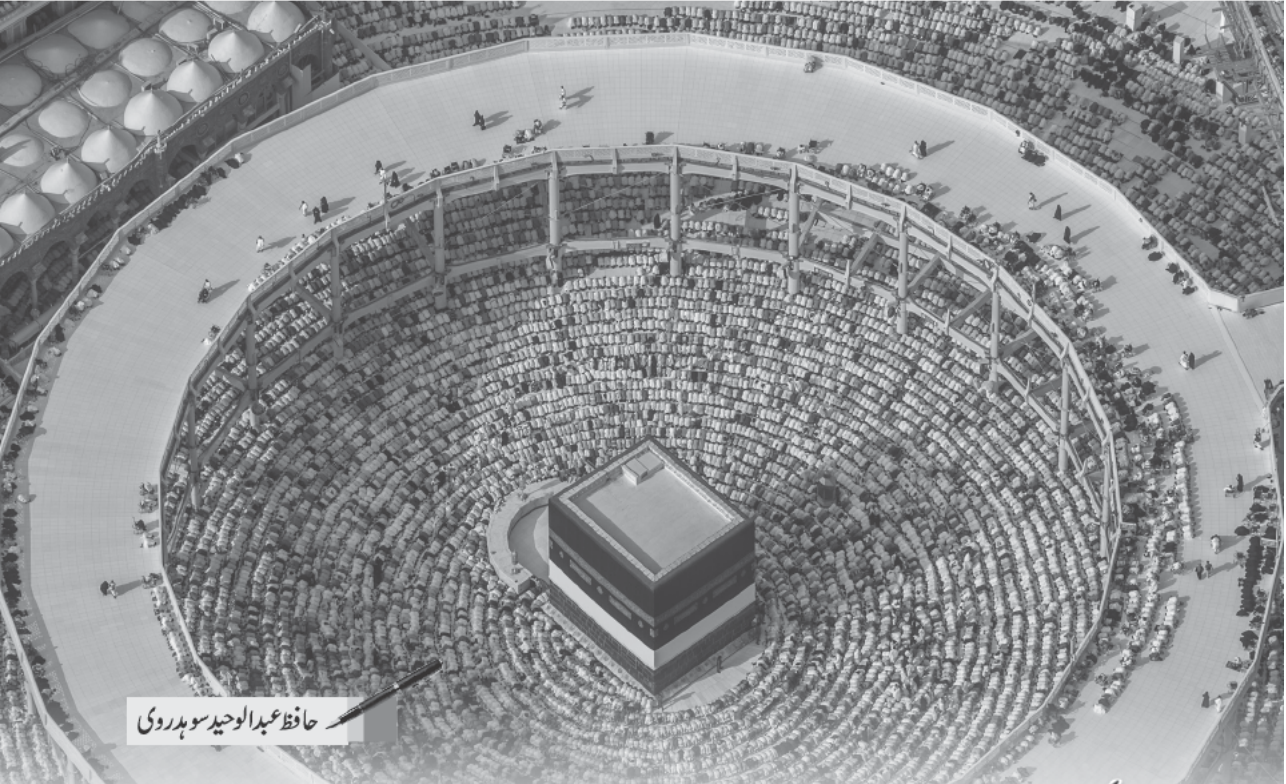
❁ نویں محرم کے روزے کا اعلان محض یہود و نصاریٰ کی مخالفت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ نویں کا اعلان نہ فرماتے اور یہود کی مخالفت میں دسویں کا روزہ ترک کردیتے تو امت ایک عظیم ثواب سے محروم رہ جاتی، چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِنْ عِشْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اِلٰى قَابِلٍ صُمْتُ التَّاسِعَ مَخَافَةَ اَنْ يَفُوْتَنِيْ يَوْمُ عَاشُوْرَاءَ» ''اگر اگلے سال تک زندگی نے ساتھ دیا تو میں ان شاء اللہ نو محرم کو روزہ رکھوں گا اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں مجھ سے یوم عاشورہ (کی فضیلت) فوت نہ ہوجائے۔'' (المعجم الكبير للطبراني: 5/226) بہرحال نویں، دسویں کے روزے سے ثواب اپنی جگہ برقرار، نبی کی قولی، فعلی سنت بھی زندہ اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت بھی ہوجاتی ہے۔

❁ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ بھی نویں اور دسویں کے دو روزوں کا ہے جیسا کہ جناب عطاء رحمہ اللہ تابعی کا بیان ہے کہ انھوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یوم عاشورہ کے روزے کے متعلق یہ فرماتے ہوئے سنا: «خَالِفُوا الْيَهُوْدَ وَصُوْمُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ» ''یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو، نویں اور دسویں کا روزہ رکھو۔'' (المصنف لعبدالرزاق: 4/287)

❁ امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ یہود کی مخالفت میں نویں اور دسویں کے دو روزے رکھے جائیں۔ (جامع الترمذي، تحت حديث: 755)

امام شافعی، ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل، اسحاق اور دیگر محدثین کہتے ہیں کہ نویں اور دسویں محرم کے دو روزے مستحب ہیں کیونکہ دسویں کا روزہ نبی ﷺ نے رکھا ہے جبکہ نویں کی نیت فرمائی۔ (شرح النووي: 1/359)

❁ لفظ عاشورہ سے بھی یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ اصل روزہ دس محرم ہی کا ہے کیونکہ عاشورہ دس محرم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف خلف میں جمہور علماء جن میں سعید بن مسیّب، حسن بصری، مالک، احمد، اسحاق وغیرہ شامل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ عاشورہ، دس محرم کو کہا جاتا ہے۔ احادیث کا ظاہر بھی یہی ہے جبکہ الفاظ کا بھی یہی تقاضا ہے۔ (شرح النووي: 1/359)



حافظ عبدالوحید سوہدروی

حرم پاک میں مشاہدات

حجاج اور معتمرین کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرتی رہنما تحریر

مکہ کی مسجد الحرام کو جس میں کعبہ ہے اور اس کی طرف منہ کرکے ہم نماز پڑھتے ہیں، حرم کہا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل نے مجھ ناچیز کو 2014ء کے حج کے دوران میں تین ماہ تک مکہ مکرمہ میں قیام کا موقع عطا فرمایا جس کے مشاہدات کو عوامی فائدے کی خاطر قلمبند کیا جارہا ہے۔ «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ السُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ»

حاجیوں کی آمد

ہر سال حج کے لیے یکم ذوالقعدہ کو مکہ مکرمہ میں بیرونی حاجیوں کی آمد شروع ہوجاتی ہے۔ سو اس سال بھی اس تاریخ کو اسلام آباد سے حاجیوں کی پہلی فلائیٹ پہنچی۔ میں عصر کی نماز کے بعد حرم پاک کے باب ملک فہد کے ایئرکنڈیشنڈ ایریا میں قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا کہ میرے پہلو میں دو تین نوآمد پاکستانی حاجیوں نے ظہروعصر کی نماز الگ الگ کھڑے ہوکر ادا کی جبکہ باجماعت ادا کرنے سے ان کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ علم کی کمی، سنت سے بے اعتنائی اور ثواب بڑھانے میں عدمِ حرص کی علامت تھی۔ نماز چاہے قضا ہوجائے اسے باجماعت ادا کرنے کی سنت ہمیں حدیث پاک سے ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک سفر کے دوران میں سوئے رہنے کی وجہ سے فجر کی نماز سورج نکلنے کے بعد باجماعت ادا فرمائی تھی۔ اسی طرح جنگ خندق کے دوران میں عصر کی نماز فوت ہوجانے پر بعدازمغرب ادا فرمائی تھی۔

نماز ادا کرنے والے ایک حاجی نے اپنا سر بھی احرام سے ڈھانپ لیا تھا۔ بے چارے کو شاید یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ احرام کی حالت میں مردوں کے لیے سر ننگا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر ہم لوگ اپنے خودساختہ مسائل میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف ہمیں کوئی بات گوارہ نہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کے پاس بدن چھپانے کے لیے بمشکل کپڑا موجود ہوتا تھا، چہ جائیکہ وہ سر ڈھانپنے کے لیے ٹوپیوں کا اہتمام کرتے۔ پتہ نہیں ہمارے لوگوں کو کیا ہو



گیا ہے کہ وہ اپنے
لیے وسیع میدان کو جان بوجھ کر تنگ کر
دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ایک بار بھی
ثابت نہیں کہ آپ نے کسی کو سر ڈھانپنے کا کبھی
حکم دیا ہو۔ جن باتوں کا آپ نے واضح حکم دیا
ہے ان پر ہم عمل کرتے نہیں، جیسے چہرے پر
داڑھی سجانے کا حکم وغیرہ۔ اور جس کے بارے
میں سرے سے کوئی حکم نہیں اس پر سختی سے عمل
کرتے ہیں اور بنتے ہم پکے سنی مسلمان ہیں۔

حرم پاک میں اُن حاجی صاحب کی نماز بھی
دیکھنے والی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے
اکثر پاکستانی پڑھتے ہیں۔ تیزی اتنی کہ دو سجدوں
کے درمیان بیٹھ کر پشت سیدھی کرنا بھی ضروری
نہیں سمجھتے اور نہ ہی رکوع سے اٹھ کر پشت سیدھی
کرتے ہیں۔ دونوں موقعوں پر مسنون دعائیں
نہ بھی پڑھیں کم از کم کمر تو سیدھی کرلیں جس کا
حکم نبی اکرم ﷺ نے دیا ہے۔

اسی طرح کی نماز ادا کرنے والے ایک شخص
کو نبی اکرم ﷺ نے تین بار نماز دہرانے کا حکم
دیا تھا کہ تیری نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھ۔ ذرا
سوچیے کہ اگر ایک صحابی کی ادا کی ہوئی اس طرح
کی نماز قبول نہیں ہوتی تو کیا ہم میں سے کسی کی
ایسی نماز قبول ہوجائے گی؟ لہٰذا اپنی نمازوں کو
غارت مت کرو کہ قیامت کے روز نامۂ اعمال
میں ایک نماز بھی نظر نہ آئے اور ساری عمر کی
محنت اکارت جائے۔ بیت اللہ شریف میں آکر
بھی اگر نماز
ویسی ہی بے خشوع پڑھی جیسی
اپنے محلے کی مسجد میں پڑھتے ہیں تو پھر لاکھوں
روپے لگا کر یہاں آنے کا فائدہ؟ اب جو شخص
ہر روز پڑھی جانے والی اپنی نماز ٹھیک طور پر
بمطابق سنتِ رسول ادا نہیں کرسکتا تو وہ حج کے
ارکان جن کا عام لوگوں کو زندگی میں ایک بار ادا
کرنے کا موقع ملتا ہے کیسے درست طور پر ادا
کرسکتا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بقول آدمی کے
دین کی صحیح پہچان اس کی نماز سے ہوتی ہے۔

حرم میں موبائل کا استعمال

آج کل موبائل کا استعمال اتنا عام ہوچکا
ہے کہ آپ کو شاید ہی کوئی حاجی ایسا ملے جس
کے ہاتھ میں موبائل نہ ہو۔ پھر فون بھی ایسے
جن میں کیمرہ اور ویڈیو کی سہولت موجود ہے۔
چنانچہ موبائل کا بڑا نقصان یہ ہے کہ کئی حاجی
اپنا تعلق اللہ پاک سے جوڑ لینے کے باوجود
اپنے عزیزوں سے تعلق کاٹتے نہیں۔ اکثر
مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ بہت سارے
حاجی طواف کرتے ہوئے، جس میں صرف اللہ
کا ذکر کرنے کا حکم ہے، موبائل کی گھنٹی بجتے ہی
فوراً اپنا تعلق اللہ سے توڑ کر کال کرنے والے
سے جوڑ لیتے ہیں۔ پھر کئی دفعہ طواف کا ایک
چکر
پورا ہوجاتا ہے مگر موبائل
بند نہیں ہوتا۔ گویا اللہ سے تعلق اتنا کچا ہوتا ہے
کہ موبائل کی ایک گھنٹی پر ٹوٹ جاتا ہے۔
حیرت کی انتہا دیکھیے کہ ایک صاحب خطبہ جمعہ
کے دوران ہی بنگالی زبان میں موبائل پر بات
کرنا شروع ہوگئے۔

اسی بات کا شکوہ اللہ پاک کو بندوں سے
ہے۔ گو قرآن میں اس کا ذکر مالی صدقات کے
ضمن میں آیا ہے مگر یہ صورتِ حال ہر میدان
میں صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور
انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ
ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں
پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے:
یہ (حصہ) اللہ کے لیے ہے، اور یہ ہمارے
دیوتاؤں کے لیے ہے، پھر ان کے دیوتاؤں کا
جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو
اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے دیوتاؤں کے پاس
پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے
ہیں۔'' (الأنعام 136:6)

طواف کا وقت خالصتاً اللہ کا وقت ہے، مگر
اس میں سے بھی ایک حصہ دوسروں کو دے دیا۔

اس کے برعکس ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کی محفل میں سے کچھ وقت اللہ کو بھی دے دیں۔ یہ اللہ کے ساتھ سراسر بے انصافی ہے۔ کئی لوگ طواف بھی کررہے ہوتے ہیں اور ساتھ ویڈیو بھی بناتے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کا ذکر خاک کرتے ہوں گے۔ تصویر کشی تو اب اتنی عام ہوچکی ہے کہ اسے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ عوام تو ایک طرف اب کئی علماء بھی اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔

ایک واقعہ

حرم پاک میں طواف کے دوران میں نے ایک پاکستانی کو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کھڑا اس حال میں دیکھا کہ اس کا منہ پاکستان کی طرف تھا اور پشت کعبہ شریف اور مقام ابراہیم کی طرف۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور اس بے ادبی پر رہا نہ گیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جذبہ کے تحت میں نے اس سے کہا کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے دعا کیجیے۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ ہر طرف موجود ہے۔ یہ جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے کہا کہ پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہنے لگا کہ اس طرح کھڑا ہوکر میں تصویر بنوا رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہاں تصویر کشی تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ مجھے کہنے لگا کہ آپ یہاں تصویر کے بغیر کیسے آئے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے تو میں نے بھی تصویر بنوائی ہے۔ میں نے کج بحثی سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا طواف جاری رکھا۔

حالانکہ واضح ہے کہ یہ تصاویر تو ہمیں مجبوراً بنوانا پڑتی ہیں۔ اور مجبوری کے تحت کیا گیا نافرمانی کا کام اللہ پاک معاف فرمادیتے ہیں جبکہ اپنی مرضی سے کیا جانے والا ممنوع کام قابل مؤاخذہ ہوتا ہے۔ حرم پاک میں ہر روز بعد از نماز مغرب بزرگ شیخ عبدالرحمٰن العجلان عربی میں درس دیتے ہیں۔ بعد میں سوال و جواب کے دوران میں نے کئی مرتبہ ان کو واضح انداز میں بحوالہ حدیث تصویر کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے۔

موبائل کی مزید قباحتیں

قریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ کعبہ کے سامنے صحن میں کھڑے ہوکر ہم لوگ مغرب کی نماز باجماعت ادا کررہے تھے۔ دوسری رکعت کے شروع ہی میں ایک صاحب کے موبائل سے بآواز بلند کسی انڈین گلوکارہ کا گانا بجنا شروع ہوگیا۔ یہ سلام پھرنے تک جاری رہا اور آس پاس کے نمازیوں کو مضطرب کرتا رہا۔ سلام پھیرنے کے بعد لوگ اس کی طرف لپکے اور اسے لعن طعن شروع کردی۔ اور وہ نوجوان آگے سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہوا، کیا ہوا؟ جیسے اسے کچھ پتہ ہی نہیں۔ گویا خشوع کی یہ حالت جو نیک آدمیوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی!

دوسرا پہلو

موبائل میں گانے کے برعکس کئی لوگوں نے گھنٹی کی بجائے تلاوتِ قرآن پاک یا اذان ڈال رکھی ہوتی ہے۔ ہے تو بظاہر یہ اچھی بات مگر جب لیٹرین میں اذان یا تلاوت شروع ہوجائے جو کئی دفعہ دیکھنے میں آیا ہے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ مذکورہ صورتوں کے پیش نظر صائب مشورہ یہی نظر آتا ہے کہ گھنٹی کی آواز عام موبائل والی رکھی جائے تاکہ اس کی آواز بند کرنا بھول جانے پر نہ تو مسجد کا تقدس مجروح ہو اور نہ ہی قرآن کی بے حرمتی ہو۔

ایک وضاحت

اس ضمن میں ایک وضاحت ہوجائے کہ بعض لوگوں نے موبائل میں قرآن پاک لوڈ کررکھا ہوتا ہے۔ کیا وہ اسے لیٹرین میں لے جاسکتے ہیں؟ اس کا عمدہ جواب ہماری ہیوسٹن کی مسجد کے امام صاحب نے درج ذیل عقلی دلیل کے ساتھ دیا کہ موبائل میں قرآن کی وہی حیثیت ہے جو ایک آدمی کے سینے یا ذہن میں قرآن کی ہے۔ جب ایسا آدمی لیٹرین میں جاسکتا ہے تو پھر موبائل لے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مگر تلاوت حرام ہے۔ یہ جواب ان شاء اللہ اکثر شش و پنج میں رہنے والوں کے لیے اطمینان بخش ہوگا۔

ایک مسئلہ

کئی دفعہ نمازی نماز سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کرنا بھول جاتا ہے۔ اگر نماز کے دوران گھنٹی بجنا شروع ہوجائے تو کیا وہ اسے بند کرسکتا ہے؟ اس ضمن میں کئی لوگ ہچکچاتے ہیں اور فون بجتا رہتا ہے جس سے گردوپیش کے نمازی بھی مضطرب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ترجیحی رائے یہی ہے کہ نمازی کو نماز کے دوران ہی موبائل بند کردینا چاہیے۔ خاص کر جب گھنٹی کی بجائے میوزک ڈال رکھی ہو جو ویسے ہی ناجائز ہے جس کا مسجد میں گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے،

چنانچہ ایسی حرکت نماز کے منافی نہیں۔ جبکہ اس سے بڑھ کر حرکات کا ہمیں حدیث سے ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً: دوران نماز سانپ مارنے کی اجازت ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

ایک بار نبی کریم ﷺ نے اپنی ننھی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے جماعت کرائی۔ رکوع اور سجدے کے وقت اسے زمین پر بٹھادیتے اور کھڑا ہوتے وقت پھر اٹھالیتے۔ اب یہ کوئی معمولی حرکات نہیں تھیں اور وہ بھی سب کے سامنے۔ پھر نہ ہی نبی اکرم ﷺ نے اس فعل کو صرف اپنے لیے مخصوص قرار دیا جیسا کہ کئی لوگ باور کراتے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں: «اَلدِّيْنُ يُسْرٌ» ''دین آسان ہے یا دین میں آسانی ہے۔'' (صحيح البخاري: 39)

حرمِ پاک میں اختلاطِ مرد وزن

حرمِ پاک میں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ طواف کے دوران اس کا کوئی حل نہیں۔ عورتیں اور مرد اکٹھے طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ شاید اللہ پاک کو ہر کسی کے ایمان کا امتحان لینا مقصود ہوتا ہے۔ اتنے رش میں کئی خواتین مردوں سے بے اختیار دھکے کھا رہی ہوتی ہیں مگر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں۔ جبکہ عام حالات میں آپ کسی خاتون کو ہاتھ لگا کر دیکھیے تو آپ کی خیر نہیں ہوتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''جس طرح حرم کی عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عتاب بھی بڑھ جاتا ہے۔'' نظر نیچی رکھنے کا حکم ہر دو مرد وزن کو ہے۔ اگر کعبہ میں اس کی جان بوجھ کر خلاف ورزی کی تو پھر اپنے ایمان کی خیر نہ سمجھے۔

ناقابل عمل تجویز

''اکیلی خواتین اگر مردوں کے دائرے سے باہر رہ کر طواف کریں جیسے صحابیات رضی اللہ عنہن کرتی تھیں تو یہ بہت ہی بہتر ہو۔'' مگر جب وہ شوہر یا محرم کے ساتھ آئی ہوں تو اس طرح ان کے بچھڑ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ اور وہاں ایک دفعہ کا بچھڑا بسا اوقات کئی کئی روز تک نہیں ملتا۔ ابھی پچھلے دنوں بیگم کے ساتھ حج پر آئے ہوئے ایک خان صاحب حرم کے صحن میں طواف کرنے کی بجائے مجھ سے نئے بنے ہوئے اوپر والے مطاف کا راستہ پوچھنے لگے۔ ساتھ خود ہی وجہ بتائی کہ ان کی بیوی حرم کے صحن میں طواف کے دوران بچھڑ جانے پر دو روز تک گم رہی۔ اس واقعے سے مجھے یاد آیا کہ یہ بے چاری تو عورت تھی جبکہ ہمارے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کے ایک پختہ عمر عالم ساتھی چوبیس گھنٹے تک ہمارے گروپ سے بچھڑے رہے۔ حالانکہ وہ حج کا موقع بھی نہ تھا۔ شاید اسی بنا پر دیکھنے میں آتا ہے کہ حج کے ایام میں کئی خواتین مردوں کے پہلو میں کھڑی ہو کر نماز ادا کر رہی ہوتی ہیں اور انتظامیہ خاموش رہتی ہے جبکہ عام دنوں میں ان کو خواتین کے لیے مخصوص جگہوں پر الگ کر دیا جاتا ہے۔ شروع شروع میں تو ہمیں اس خلاف شرع فعل پر بڑا تعجب اور افسوس ہوتا مگر انتظامیہ کی اس نرم پالیسی کی حکمت اب سمجھ آئی ہے کہ کہیں ساتھی کے بچھڑ جانے پر ان کا حج خراب نہ ہو جائے۔ البتہ میری کوشش ہوتی ہے کہ نماز کے لیے ایسی جگہ ڈھونڈوں جہاں سامنے کوئی خاتون نہ کھڑی ہو۔

جوتے چوری ہونے کا مسئلہ

کئی لوگ جو عموماً باہر سے آنے والے حاجی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ سعودی باشندے ہیں اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ وہ کسی دوسرے کا جوتا پہن کر لیٹرین میں چلے جاتے ہیں یا اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اس بے احتیاطی کی وجہ سے کئی حاجی ننگے پاؤں اپنی رہائش گاہ پر لوٹتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خلافِ شرع ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی چیز استعمال کی جائے۔ یہاں ایک طبقے میں یہ رواج چل پڑا ہے کہ آپ اپنا ایک سستا جوتا جیسے ہوائی چپل وغیرہ سنبھالے بغیر دروازے کے باہر اتارتے ہوئے اس نیت سے وقف کر جائیں کہ جو چاہے پہن لے تاکہ حرم میں اسے ساتھ ساتھ نہ اٹھانا پڑے۔ پھر آپ جس دروازے سے بھی باہر نکلیں نیچے پڑے ہوئے جوتوں میں سے کوئی بھی پہن لیں، تاہم وہ آپ کے وقف کردہ جوتے سے قیمتی نہ ہو۔ اس میں ہے تو بڑی آسانی جس کی کئی سال تک میں بھی اپنے ساتھیوں کو تلقین کرتا رہا۔ مگر جب حرم کے ایک درس میں اسے بھی ناجائز قرار دیا گیا تو میں نے بھی اس کی تائید چھوڑ دی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے گناہ کے علاوہ ایک نقصان یہ ہے کہ جب دروازوں کے باہر جوتوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے تو صفائی کرنے والا عملہ سارے جوتے اٹھا کر ٹریش (کوڑے) میں گرا دیتا ہے جس میں

دولت کا ضیاع بھی ہے اور ہزاروں افراد جوتے سے محروم بھی ہوجاتے ہیں۔

حرم میں بے احتیاطی اس حد تک ہے کہ کئی لوگ حرم کے اندر سے مخصوص مقام پر سنبھالا ہوا جوتا بھی اٹھالے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جوتا چور کے علاوہ آپ کیا نام دیں گے؟ یہ ہماری اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے۔ ایسے لوگ خدا کے سامنے یقیناً جوابدہ ہوں گے۔ لہٰذا حاجیوں اور عمرہ پر جانے والے حضرات سے گزارش ہے کہ حرم میں نماز کے لیے جاتے ہوئے سستے جوتے استعمال کریں تاکہ نقصان کم سے کم ہو۔ یا پھر قیمتی جوتا ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں۔

حجر اسود کو بوسہ

حجر اسود کو بوسہ دینا اور وہ بھی حج کے دنوں میں ایک نحیف آدمی کے لیے ناممکنات میں سے ہوگیا ہے۔ جس قدر وہاں دھکم پیل ہوتی ہے وہ حرم کے تقدس کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ ہر کوئی دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنے اور بوسہ دینے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ کئی لوگ جوش میں آکر نعرے لگاتے ہوئے بھی دیکھے گئے ہیں۔ اور تو اور خواتین بھی اپنی باری آنے پر کچھ ایسے ہی دھکم پیل کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نوجوان پاکستانی لڑکی کو مردوں کی لائن میں لگے کعبہ کی ابھری ہوئی بنیادوں کی ڈھلوان پر مشکل سے کھڑے دیکھا۔ یہ بندریا کی طرح کعبہ کے پردے سے لٹکتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش میں تھی۔ یہ منظر ہر طواف کرنے والا دیکھ رہا تھا۔ کعبہ شریف کی اس بے حرمتی اور خوف خدا سے عاری اس خاتون کی بے پردگی پر زبان سے بے ساختہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ نکل گیا۔ ایسے ثواب کے متمنی لوگ تو گناہ کا بوجھ اٹھا کر لوٹتے ہیں۔ جب اجازت ہے کہ حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکنے کی صورت میں اس کے سامنے سے گزرتے وقت صرف دائیں ہاتھ سے سلام (اشارہ) کریں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے گزر جائیں تو پھر اتنے پاپڑ بیلنے اور گناہ گار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

کئی لوگ تجویز کرتے ہیں کہ انتظامیہ کو چاہیے کہ لوگوں کو لائن میں لگا کر بوسہ کی اجازت دیں تاکہ ہر کسی کو موقع مل سکے۔ مگر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی تعداد کے پیش نظر ایسا ممکن نہیں۔ ہاں سکیورٹی والے ہر اذان سے دس پندرہ منٹ بیشتر لائن میں لگے ہوئے لوگوں کے لیے بوسہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ جو نماز شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے تک جاری رہتا ہے۔ لہٰذا کمزور لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ ایک پتے کی بات ہے جو ہر کسی کو معلوم نہیں۔

حرم میں جیب کترے

حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت کئی لوگوں کی جیب کٹ جاتی ہے۔ یہ لوگ حاجی نہیں ہوتے بلکہ چور لوگ حاجی بن کر یہاں آجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ پاک خود ہی نبٹ لے گا کہ چوری اور وہ بھی کعبہ کے دامن میں۔ اب تو کیمروں اور سکیورٹی کی وجہ سے بحمداللہ اس میں بہت کمی آچکی ہے۔ نو دس سال قبل میرے اپنے بڑے بیٹے کا اس موقع پر بٹوے کے ساتھ گرین کارڈ بھی جاتا رہا تھا۔ لہٰذا حاجیوں کو مشورہ ہے کہ اپنی قیمتی اشیاء ساتھ لے کر حرم نہ جایا کریں خاص کر جب طواف کے دوران میں حجر اسود کو بوسہ دینے کا بھی ارادہ ہو۔

علاوہ ازیں عورتوں کے ایریا میں نماز میں مصروف خواتین کے پرس بھی غائب ہونے کی اطلاعات ملتی ہیں۔ ظاہر ہے وہاں مرد تو جا کر یہ کام نہیں کرتے۔ مردوں کی طرح چور عورتیں بھی حاجن کا روپ دھار کر مکہ مکرمہ پہنچ جاتی ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ عورتیں اپنے زیورات پرس میں رکھ کر حرم ساتھ نہ لے جایا کریں۔ خواتین کے باتھ روم میں رش کے دنوں میں چھوٹی بچیوں کے کانوں سے بالیاں بھی چوری ہوجاتی ہیں۔ ہماری اپنی نواسی کے ساتھ ایسے ہو چکا ہے۔ لہٰذا محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اس غلط فہمی میں نہ رہیے کہ یہاں پر آنے والے سب لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

سعودی عرب میں بفضل خدا چور کی سزا ہاتھ کاٹنا شریعت کے مطابق نافذ ہے۔ جس پر عمل بھی ہوتا ہے۔ اس کی برکت سے جتنا امن سعودی عرب میں پایا جاتا ہے وہ دنیا کے کسی اور ملک میں نظر نہیں آتا۔ پھر بھی دوسرے ملکوں کے عادی چور اپنے بھیانک انجام سے لاپروا ہوکر تھوڑے سے دنیاوی مفاد کی خاطر ٹنڈا بن جانے والا اتنا بڑا خطرہ مول لے لیتے ہیں۔ پھر اپنے ملکوں میں واپس جانے پر ایکسیڈنٹ میں ہاتھ کٹ جانے کا بہانہ پیش کرتے پھرتے ہیں۔ (جاری ہے)



آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

سوال: اسلام میں نوحہ اور ماتم کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن وحدیث، صحابہ وائمہ کرام اور محدثین کے حوالے سے مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

(محمد ذکاء اللہ، گوجرانوالہ)

جواب: اسلام میں نوحہ اور ماتم حرام ہیں اور دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔ امام ذہبی اور ابن حجر ہیثمی رحمہما اللہ نے انھیں کبائر میں شامل کیا ہے۔ (الکبائر، کبیرہ نمبر39، صفحہ:309، الزواجر عن اقتراف الکبائر، باب الجنائز: 228/1)

چونکہ نوحہ اور ماتم علمائے اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق حرام ہیں، اس لیے علماء ومحدثین کے اقوال نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ الکبائر، صفحہ: 310 میں لکھتے ہیں: «وَكُلُّ هٰذَا حَرَامٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ، وَكَذٰلِكَ يَحْرُمُ نَشْرُ الشَّعْرِ وَلَطْمُ الْخُدُودِ وَخَمْشُ الْوَجْهِ وَالدُّعَاءُ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ» ''اور یہ سب باتفاقِ علماء حرام ہے، اسی طرح بالوں کو کھولنا، رخسار پیٹنا، منہ نوچنا اور ہلاکت و بربادی کی بددعائیں کرنا بھی حرام ہے۔''

اس موضوع پر مولانا محمد صدیق فیصل آبادی رحمہ اللہ کا مقالہ بعنوان: مروجہ ماتم حسین اور اس کی شرعی حیثیت، مفید تر ہے۔ قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کی روشنی میں چند دلائل پیش خدمت ہیں:

قرآن مجید میں کئی مقامات پر صابرین کی تعریف کی گئی ہے، بعض صابرین کا بطور نمونہ تذکرہ بھی ہوا ہے۔ بعض مقامات پر صبر کا حکم اور اس کی تلقین بھی ہے، فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة 2 : 153) نیز آگے فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ.﴾ ''اور یقیناً ہم تمھیں خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔'' (البقرة 2:155-157)

یہاں ایمان والوں کی ایک نشانی صبر بتائی گئی ہے، یعنی وہ مصیبت کے وقت جزع فزع سے کام نہیں لیتے بلکہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایت کامل اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں اور مہربانیوں کا حقیقی مستحق صابر انسان ہی ہے۔ سیدنا ایوب علیہ السلام نے طویل عرصہ تک صبر کا مظاہرہ فرمایا اور کم وبیش اٹھارہ سال تک اذیت ناک بیماری میں گرفتار رہے، جیسا کہ اس موضوع کی بعض روایات پایۂ

ثبوت کو پہنچتی ہیں، لیکن زبان سے بے صبری کا ایک کلمہ تک نہیں کہا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا﴾ یعقوب علیہ السلام نے بھی بے مثال صبر کا ثبوت دیا اور بجائے ناشکری یا مخلوق کے سامنے گلہ شکوہ کرنے کے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے اپنے غم و اندوہ کی درخواست پیش فرمائی: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ ''میں اپنی ظاہر ہونے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا ہوں.....'' (یوسف 86:12) خیر صبر و استقامت کے قرآن پاک میں اور بھی کئی نمونے موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ» ''وہ ہم میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑا اور جاہلیت کی سی پکار کی۔'' (صحيح البخاري: 1297، وصحيح مسلم: 103)

اس حدیث سے سینہ کوبی، ماتم اور نوحہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ أَنْ لَّا نَنُوحَ» ''نبی کریم ﷺ نے بیعت کے وقت ہم سے یہ عہد لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔'' (صحيح البخاري: 1306) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سخت تکلیف میں تھے، ان کا سر ان کی اہلیہ کی گود میں تھا کہ ان پر سخت غشی طاری ہوئی۔ اس پر اس خاتون نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو فرمایا: ''میں بھی اس شخص سے اظہار براءت کرتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے اظہار براءت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مصیبت کے وقت نوحہ کرنے والی، سر مونڈنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔'' (صحيح البخاري: 1296، صحيح مسلم: 104)

شیعہ اکابر اور ائمہ اہل بیت نے بھی ہمیشہ صبر سے کام لیا، جزع فزع کا اظہار نہیں کیا اور نہ اپنے متبعین کو اس کی تلقین ہی کی ہے، اس لیے ماتم وغیرہ بعد کی بدعات ہیں، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کے بعض اقارب کی وفات ہوئی اور شہید بھی ہوئے لیکن آپ نے مثالی صبر کا نمونہ پیش کیا، مثلاً: سیدنا حمزہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہما کی شہادتیں کوئی معمولی حیثیت کی حامل نہیں تھیں لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صبر کا مظاہرہ فرمایا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمت اور صبر کا دامن تھامے رکھا اور ان سے قطعاً ماتم کا ثبوت نہیں ملتا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی معمولی صدمہ نہ تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ کی وفات اہل اسلام کے لیے بالعموم اور اہل بیت کے لیے بالخصوص مصائب و آلام کا پہاڑ ثابت ہوئی لیکن سب نے صبر کیا۔ پھر کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعد ازاں ان کے فرزندان حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادتیں بھی کوئی معمولی سانحہ تھیں؟ لیکن اہل بیت النبی سے کسی قسم کی بے صبری اور ماتمی جلوس کا انعقاد ثابت نہیں۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مروجہ ماتم و سینہ کوبی اور تعزیتی جلوس کا نکالنا بعد کے گمراہ شیعانِ علی کی رسومات اور بدعات ہیں۔

شیعہ کتب میں صبر کی تلقین اور ماتم کی مذمت

① رسول اللہ ﷺ کی وفات پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَلَوْلَا أَنَّكَ أَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَأَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشُّؤُونِ» ''اے اللہ کے رسول! اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع فزع سے منع نہ کیا ہوتا، تو ہم آنکھوں کا پانی رو رو کر ختم کر دیتے۔'' (نهج البلاغة: 256/3 مصری)

② نیز فرمایا: «وَعَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ فَإِنَّ الصَّبْرَ مِنَ الْإِيمَانِ كَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، وَلَا خَيْرَ فِي جَسَدٍ لَا رَأْسَ مَعَهُ وَلَا فِي إِيمَانٍ لَا صَبْرَ مَعَهُ» ''صبر کو اختیار کرو، صبر ایمان کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح سر باقی جسم سے متعلق ہے، جو حالت بغیر سر کے جسم کی ہوتی ہے، وہی حالت بغیر صبر کے ایمان کی ہوتی ہے۔'' (نهج البلاغة: 168/3)

اب حیرت اس بات پر ہے کہ جس واقعہ پر ائمہ نے صبر کیا، نہ جلوس نکالے، نہ دلدل، نہ مہندی، نہ ماتم کیا، نہ واویلا کیا، اس کے برعکس بعض لوگوں نے ان تمام اشیاء کو فرض عین اور مذہبی شعار کا درجہ دے دیا ہے اور بالکل مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق بن گئے ہیں، حالانکہ ائمہ نے ان کو حرام قطعی اور ممنوع قرار دیا ہے۔'' (مقالات صدیقی، صفحہ: 70)

نہج البلاغۃ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: «يَنْزِلُ الصَّبْرُ عَلَى قَدْرِ الْمُصِيبَةِ وَمَنْ ضَرَبَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ عِنْدَ مُصِيبَةٍ حَبِطَ عَمَلُهُ» ''صبر بہ اندازہ مصیبت نازل ہوتا ہے اور جو شخص مصیبت کے وقت اپنی رانوں پر ہاتھ مارے، یعنی ران پیٹے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔'' (نهج البلاغة: 185/3، مصر)

اب یہ لوگ خود ہی اپنے امام معصوم کے فتویٰ پر غور فرمائیں کہ اب پیچھے ان کا کوئی عمل صالح بچتا ہے؟

سوال کیا ماتم کا جلوس نکالنا جائز ہے؟

جواب مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں جب نوحہ و ماتم کرنا ہی سرے سے حرام ہے تو ماتمی جلوس کا نکالنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، اس لیے یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے، یہ شیعہ مکتب فکر کی بدعت ہے، جس میں سراسر قرآن وسنت اور شیعہ اکابر کی بھی مخالفت ہے بلکہ صبر و استقامت کا جو ثبوت ائمۂ اہل بیت نے دیا ان کے اسوہ اور تعلیمات کی بھی اس سے تردید لازم آتی ہے۔

سوال کیا ماتم کا جلوس دیکھنا جائز ہے؟

جواب نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ یہ معصیت پر تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ نے معصیت پر تعاون سے منع فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ ''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' (المائدہ 2:5) نیز انکارِ منکر فرض ہے، معصیت دیکھتے ہوئے ازالۂ منکر نہ کرنا خود معصیت ہے، الّا کہ دلی نفرت موجود ہو تو پھر وہاں رہنے کا اور اس تماشا کو دیکھنے کا کیا جواز بنتا ہے؟

سوال ماتم کب شروع ہوا؟

جواب اس حوالے سے علامہ اکبر خان نجیب آبادی لکھتے ہیں: 352ھ کے شروع ہونے پر (مُعز الدولہ) ابن بُویہ مذکور نے حکم دیا کہ 10 محرم کو حضرت ''امام حسین'' کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کر دی جائیں، بیع وشراء بالکل موقوف رہے، شہر و دیہات کے لوگ ماتمی لباس پہنیں اور علانیہ نوحہ کریں، عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے، چہروں کو سیاہ کیے ہوئے، کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی، منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی۔ آئندہ سال 353ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور سنیوں کو بھی اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا۔ اہل سنت اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ شیعہ سنّی فساد کی بنیاد پڑی جس کے نتیجے میں بہت بڑی خونریزی ہوئی۔ اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کر دیا اور آج تک اس کا رواج ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان (متحدہ) میں اکثر سنی لوگ بھی تعزیے بناتے ہیں۔'' (تاریخ اسلام: 566/2)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایۃ والنھایۃ (216/12) میں (بہ مراجعت شیخ عبدالقادر ارناؤوط و دکتور بشار عواد) 352ھ کے حالات میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ معلوم ہوا ماتم وغیرہ کی بدعات کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہوا، اس کا بانی معزالدولہ بن بُویہ ہے، اس سے قبل سنی تحقیق کی روشنی میں اس قسم کی بدعات کا ثبوت نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔

جبکہ شیعہ مکتب فکر کی کتاب ''جلاء العیون'' کے حوالے سے ملتا ہے کہ ''ابومخنف وغیرہ نے روایت کیا ہے حکمِ یزید ملعون سے سر مبارک سید الشہداء اس کے دروازۂ قصر پر آویزاں کیا گیا اور جب مخدرات اہل بیت اس ملعون کے گھر داخل ہوئے تو آل سفیان نے اپنے زیور اتار ڈالے اور لباس ماتم پہن کر آواز بنوحہ وگریہ بلند کی اور تین روز ماتم رہا۔'' (جلاء العیون اردو ترجمہ بنام دمع التھون: 526/2، مطبوعہ لکھنو، ملاباقر مجلسی، ماخوذ از مقالات صدیقی، صفحہ:72)

''حُسَيْنٌ مِّنِّي'' کا مطلب

سوال شیعہ حضرات اس حدیث کو بڑا بیان کرتے ہیں: «حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ» اس کا کیا مطلب ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب یہ حدیث صحیح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ الکبیر: 215/4) اور (الأدب المفرد، حدیث:364) میں ذکر کی ہے، نیز سنن ترمذی (حدیث: 3775)، سنن ابن ماجہ (حدیث:144)، ابن حبان (حدیث: 2240) اور مستدرك حاكم (177/3)، اور دیگر کتب میں بھی ہے۔ مزید دیکھیے: سلسلہ صحیحہ (حدیث:1227)

حدیث میں مذکور ترکیب کا کلام عرب میں بکثرت استعمال ہے۔ اور قرآن وحدیث کی نصوص میں بھی یہ چال چلن ملتا ہے۔ بیٹا جب باپ کے نقشِ قدم پہ نہ چلے اور اس کے طور طریقے اور چال چلن کے برخلاف اقدام کرے تو عرب اس وقت کہتے ہیں: «لَسْتَ مِنِّي» ''تو مجھ سے نہیں'' یعنی تو نے میرا طریقہ اور اسلوب اختیار نہیں کیا، (تفسیر قرطبی: 240/4، تحقیق دکتور عبدالمحسن ترکی)

① قرائن کی روشنی میں مذکورہ اسلوب سے جسمانی و روحانی مماثلت و موافقت اور مشابہت بھی مراد ہوسکتی ہے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے: «اَلْحَسَنُ مِنِّي وَالْحُسَيْنُ مِنْ عَلِيٍّ» ''حسن مجھ سے اور حسین علی سے ہیں۔'' (صحيح الجامع الصغير: 3179، وشرحه از مناوی: 3009/6، سلسله صحيحه از البانی: 811)

یہاں ظاہری و معنوی دونوں قسم کی مشابہت مراد ہوسکتی ہے، یعنی حسن ظاہری شکل و شباہت یا حلم و بردباری میں میرے زیادہ مشابہ ہیں جبکہ حسین شکل وصورت یا شدت و جرأت میں علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ مشابہ ہیں۔

② نسبی تعلق اور خونی قرابت بھی مراد ہوسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «عَلِيٌّ مِنِّي وَ أَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ» ''علی کا مجھ سے نسبی تعلق ہے اور میرا اس سے ہے اور اپنی طرف سے قرض وغیرہ کی ادائیگی میں خود کروں گا یا پھر علی۔'' (سنن الترمذي: 3719، سنن ابن ماجه: 119)

علامہ سندھی نے یہاں «بَيْنَنَا قَرَابَةٌ كَالْحُرِّيَّةِ» ''ہمارے درمیان حرّیت کی طرح قرابت ہے'' کا مفہوم بیان کیا ہے۔ (سنن ابن ماجه: 57/1 مع حاشية السندي) لیکن بعض کے نزدیک یہ معنی محل نظر ہیں کیونکہ صرف قرابت میں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں، اس لیے یہاں ایک درجہ خصوصیت ہے کہ انھیں یہ شرف نسب وصہر، سبقت اسلام اور محبت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، تو معنی یہ ہوں گے کہ اطاعت الٰہی میں دونوں کے اعمال میں مبالغے کی حد تک اتحاد ہے جیسا کہ مابعد کی تفصیل سے ظاہر ہوگا۔

③ ایک معنی نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ اور آپ کے طور طریقے کو اپنانا اور آپ کے نقش قدم پر چلنا بھی ہیں۔ قرآن وسنت کی عام نصوص میں اس اسلوبِ کلام کا یہی مطلب ہے، لہٰذا «حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ» سے دونوں مفہوم ہی مراد لیے جاسکتے ہیں: ''حسین میرے قرابت دار ہیں اور میں ان کا قرابت دار ہوں۔'' جیسا کہ مذکورہ حدیث «عَلِيٌّ مِنِّي» میں ذکر ہوا۔ دوسرا مفہوم ہے ''حسین کا اور میرا طور طریقہ ایک ہے، یعنی اطاعت الٰہی میں ہمارے اعمال اور طریقے میں یکسانیت ہے۔ ہمارے نزدیک یہی مفہوم راجح ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ «فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ» (حدیثِ اشعریین) کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دونوں کے طریقہ واسلوب اور عمل میں اتحاد کا مبالغہ مراد ہے۔'' (شرح نووی: 2472، فتح الباري: 161/5)

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہ مفہوم بیان کیا ہے۔

اس مفہوم کی تائید قرآن وحدیث کے مزید دلائل سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: قصۂ طالوت میں ہے: ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ (البقرة 249:2) آل عمران آیت: 34 میں ہے: ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ﴾ مطلب ہے اطاعت الٰہی میں ایک دوسرے کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ نیز اس سورت کی آیت نمبر 195 میں ہے: ﴿اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ .....﴾ سورۂ نساء آیت نمبر 25 میں بھی یہ اسلوب ملتا ہے۔ اور سورۂ ابراہیم آیت: 36 میں ہے ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ یعنی جو متبع ہوگا وہی میرے نقش قدم پر اور رشتۂ ایمانی میں میرا تعلق دار ہوگا۔

چند حدیثی دلائل

① حدیثِ جُلَیبیب میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کسی غزوے میں شریک تھے۔ نظر نہ آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تلاش جاری تھی، انھیں دیکھا تو یہ شہید ہوئے پڑے تھے۔ ان کے پہلو میں سات اشخاص بھی پڑے تھے جو ان کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے اور فرمایا: اس نے سات کو قتل کیا بعد میں خود شہید ہوگئے «هَذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ» یہ کلمہ دو دفعہ دہرایا۔ (صحيح مسلم: 2472)

② بخاری ومسلم میں ہے: جب اشعری لوگ جہاد میں محتاج ہوجاتے ہیں یا مدینہ طیبہ میں ان کے بال بچوں کے پاس کھانا کم رہ جاتا ہے تو سب لوگ اپنا اپنا موجود سامان ملا کر ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں۔ پھر آپس میں ایک پیمانے سے برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں (اس وصف کی وجہ سے) «فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ» ''وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 2486، و صحيح مسلم: 2500)

③ تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ واقعہ جس میں انھوں نے آپ علیہ السلام کی عبادت وریاضت کے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ اس میں ہے «فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحيح البخاري: 5063)

④ صحیح مسلم میں آپ علیہ السلام کا فرمان عالی ہے: « مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» ''جس نے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں۔'' یعنی وہ ہمارے راستے پر نہیں،

بلکہ اس کا عمل ہماری سیرت و کردار کے برعکس ہے۔(صحیح مسلم:101)

⑤ ابوداود: 4242 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے ہاتھوں فتنة الأحلاس (بھاگم بھاگ اور غارت گری) کا وقوع ہوگا۔ آپ نے فرمایا: «يَزْعُمُ أَنَّهُ مِنِّي وَلَيْسَ مِنِّي» یعنی نسل سے تو ہوگا لیکن بے راہ روی کی وجہ سے میرے اسلوب اور نقش قدم پر نہیں ہوگا۔ مزید تخریج کے لیے ملاحظہ ہو (السلسلة الصحيحة: 974)

⑥ ظالم حکمرانوں کی معاونت اور ان کی کذب بیانیوں میں ان کی تصدیق و موافقت کرنے والے بے دین کے بارے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: «فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ» ''وہ میرے نقش قدم پر نہیں ہوگا اور نہ میرا ہی اس کے ساتھ کوئی تعلق ناتہ ہوگا۔'' (سنن الترمذي: 614، صحيح الترغيب از البانی: 2242)

ان چند دلائل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مذکورہ سیاق میں «فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ» سے دونوں شخصیات کے عمل و کردار اور اطاعت الٰہی میں دونوں کی عملی موافقت و مماثلت اور یکسانیت مراد ہے۔ جبکہ «لَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ» کا اسلوب اس کے برعکس ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی رائے میں «حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ» کا مقصد یہ ہے کہ وجوب محبت میں دونوں برابر ہیں، اور اس میں مابعد کے حوادث اور جنگ و قتال میں سیدنا حسین کے احترام کرنے کی تلقین اور ان کی حرمت پامال نہ کرنے کی تلمیح ہے کیونکہ وحی کی روشنی میں آپ کو مابعد کے سانحہ سے مطلع فرما دیا گیا ہوگا (تحفة الأحوذي:190/11) المختصر مذکورہ اسلوب سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی جہاں فضیلت ثابت ہوتی ہے وہاں نسبی تعلق کی بنا پر دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ان کی ایک خصوصیت بھی لیکن ذہن میں رہے نسبی خصوصیت کے سوا اس اسلوب میں وہ اور ان کے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہما یکتا نہیں بلکہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی آپ علیہ السلام نے یہ جامع اور معنی خیز اسلوب اپنایا اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے جس سے شیعہ کے بعض مزعومہ عقائد کی تردید ہوتی ہے۔ بہرحال مذکورہ مفاہیم و مطالب میں سے جونسا مفہوم بھی مراد لیا جائے، اہل تشیع کے حق میں اس سے کچھ نہیں نکلتا۔ وباللہ التوفیق۔

حدیث ''مدينة العلم'' کی استنادی حیثیت

سوال ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر علمی تفوق اور برتری کے اظہار کے لیے اہل تشیع پیش کرتے ہیں، کیا یہ مستند ہے؟

جواب یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ (تهذيب الآثار از ابن جرير: 124/4 حديث: 1415، طبرانی كبير: 278/9، حاكم: 126/3، تاريخ بغداد: 48/11، 205، ابن عساكر: 216/48، 289/45، 15/9)

علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعة میں اور ابن عراق نے تنزیہ الشریعۃ میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیگر علماء و محدثین بھی اسے بے اصل اور باطل قرار دیتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: (موضوع اور منکر روایات: 410/1، حدیث:170 از ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی)

یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے: «أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ» ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، پس جو علم سے بہرہ ور ہونا چاہے وہ دروازے کے پاس آئے۔'' اس مضمون کی روایات حضرت علی، ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ سے مروی ہیں، لیکن سب ضعیف ہیں بلکہ ضعف میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو: (الضعيفة: 2955) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت پر 12 صفحات پر مشتمل طویل تحقیقی بحث کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے۔

بعض دوسری روایات میں ہے: «أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا» ''میں حکمت کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' (سنن الترمذي: 3723، هداية الرواة محققہ:6042، ضعيف الجامع الصغير للألبانی، 1313) یا «أَنَا مَدِينَةُ الفِقْهِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا» ''میں فقہ کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ (موضوعات لابن الجوزی: 250/1) فضیلت علی میں یہ سب روایات ناقابلِ التفات ہیں۔ مذکورۃ الصدر روایت کی تحقیق و تخریج میں مولانا غازی عزیر حفظہ اللہ نے خوب محنت کی ہے۔ موصوف کا یہ مضمون ماہنامہ ''محدث'' میں متعدد اقساط میں شائع ہو چکا ہے جس کی پہلی قسط نومبر 1986ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ شائقین علم و تحقیق ان شمارہ جات کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔



شیعہ سنی تصادم کیوں

عطاء محمد جنجوعہ

اور تدارک کا لائحہ عمل

تاریخ شاہد ہے کہ اہل سنت اور شیعہ علماء نے تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں متحد ہو کر بھرپور کردار ادا کیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ شیعہ اور اہل سنت عوام پُرامن ماحول میں رہ کر بحث و مباحثہ کرتے، وہ تحمل و بردباری سے دوسروں کا موقف سنتے اور اصلاحی انداز میں جواب دیتے۔ لیکن عوام میں نفرت کی خلیج اس وقت حائل ہوئی جب پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور اس کے ردعمل میں سپاہ صحابہ منظر عام پر آئیں جن کی ذیلی شاخیں آناً فاناً پورے ملک میں پھیل گئیں۔ تکفیری توپ خانوں سے ایک دوسرے پر گولے برسنے شروع ہوگئے۔ مذہبی تصادم کے دوران نامور علماء ہلاک ہوئے، مساجد، مزاروں اور امام بارگاہوں میں خودکش دھماکوں سے بے گناہ شہری ہلاک ہوئے۔ غور طلب پہلو یہ ہے کہ مذہبی تصادم کو بھڑکانے والی لابی کا ممکنہ مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

صہیونی تنظیم نے یہودی پروٹوکول کو پیش قدمی کے لیے یورپ کو دو بلاکوں میں بانٹ دیا۔ مشرق میں سوشلزم اور مغرب میں جمہوریت کو فروغ دیا۔ روس اور امریکہ اپنے اپنے نظاموں کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ جمہوریت کو آزادی، مساوات و اخوت کے اجزائے ترکیبی کی بنا پر عالمی سطح پر پذیرائی ملی جبکہ سوشلزم کی حوصلہ شکنی ہوئی تو صہیونی لابی نے جمہوری فیڈریشن کی صورت میں اپنی عالمی حکومت قائم کرنے کا تہیہ کرلیا اور سوشلزم کو ناکام نظام ثابت کرنے کا منصوبہ بنایا۔

جنرل ضیاء الحق نے ملک میں اسلام نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ اس دوران روس کی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں۔ پاکستان کو اپنی سلامتی کا خطرہ لاحق ہوا۔ حکومت پاکستان نے دفاعی پالیسی اختیار کی اور ملک بھر میں جہادی تنظیموں کی سرپرستی کی جنھوں نے افغان بھائیوں سے مل کر روس کے خلاف جہاد میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلامی تعلیم حاصل کرنے والوں کی وفاق کی ڈگری کو ایم۔ اے کے مساوی قرار دیا۔ دفاتر اور اداروں میں اسلامی تشخیص کو اجاگر کیا گیا۔ اس دوران مصر میں شریعت کے نفاذ کے لیے تنظیمیں قائم ہوئیں۔ ایران میں انقلابی حکومت قائم ہونے سے پاکستان کے شیعوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ تحریک جعفریہ نے جداگانہ مذہبی حقوق کا مطالبہ منوانے کے لیے اسلام آباد کا گھراؤ کرلیا، اس کے ردعمل میں سپاہ صحابہ نمودار ہوئی۔

جوں ہی روسی فوج کا افغانستان سے انخلا



مکمل ہوا اور سوشلزم کا نظریہ دریائے آموز کی لہروں میں تحلیل ہوکر رہ گیا تو صہیونی لابی نے پاکستان میں اسلامائزیشن کی لہر کو سیکولرزم میں ڈھالنے کی پالیسی اپنائی۔ روسی فوج کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرنے والی پاکستان کی فوجی قیادت کو بہاولپور کی فضا میں ہلاک کردیا گیا اور جہادی تنظیموں پر پابندی عائد ہوگئی لیکن شیعہ سنی تنظیموں کی سرپرستی جاری رہی۔ مبینہ قاتلوں کا پولیس کی گرفت سے بھاگ جانا اور جیل سے ان کا فرار ہونا اس کا بین ثبوت ہے۔

بے گناہ افراد کو قتل کرنے کی شیعہ مذہب اجازت دیتا ہے نہ اہل السنۃ کا مذہب تو پھر یقیناً مساجد اور بارگاہوں میں خودکش دھماکے صہیونی تنظیم کی لابی کی کارروائی ہوسکتی ہے۔ مذہبی قیادت ایسا ہرگز نہیں کرسکتی۔ اس مذہبی تصادم کو میڈیا نے دہشت گردی سے تعبیر کیا۔ جب شیعہ اور اہل سنت عوام میں نفرت و عداوت کی دیوار حائل ہوگئی تو حکومت نے تحریک اور سپاہ کو دہشت گرد تنظیموں کی فہرست میں شامل کردیا اور ان کے جلسوں پر پابندی عائد کردی گئی۔ سپاہ کے کارکنوں کو طالبان کی آڑ میں پکڑ کر ان پر تشدد کیا گیا۔

حکومت نے مبینہ دہشت گردوں پر کنٹرول کرنے کی بجائے مساجد میں خطبہ جمعہ کے لیے لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کردی۔ صہیونی لابی کے نظریہ ضرورت کے تحت اسلامائزیشن کو پروان چڑھایا۔ جب ان کا مقصد پورا ہوگیا، یعنی سوشلزم کا نظریہ دفن ہوگیا اور روس نے جمہوری نظام کو اپنانا شروع کردیا تو صہیونی لابی نے وطن عزیز کو ایسے سنگین حالات سے دوچار کردیا کہ صوم وصلاۃ کی ادائیگی اور اسلامی تشخص کو اپنانا بھی دہشت گردوں کی علامت بن گیا۔ صہیونی تنظیم نے سوشلزم کو بھسم کرنے کے بعد اسلام کو ہدف بنالیا۔

در در ٹھوکر کھانے والے یہودیوں نے یورپ کو دو نظریاتی بلاکوں میں بانٹ دیا۔ اُن کو آپس میں لڑا کر منہ مانگے حقوق حاصل کیے حتی کہ صہیونی تنظیم یورپ میں اس قدر متحرک و فعال ہے کہ ان کی حمایت کے بغیر کوئی سیاسی جماعت الیکشن میں کامیاب نہیں ہوسکتی، چنانچہ اب صہیونی تنظیم مسلم ممالک میں شیعہ سنی مذہبی فساد بھڑکا کر ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تاکہ اسرائیل کی راہ ہموار ہوجائے۔ صہیونی منشا یہ ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں جہاں سے ان کو خباثتوں کی بنا پر نکالا گیا تھا، دوبارہ داخل کرسکیں۔

شیعہ سنی ہونے کی بنا پر علماء کو قتل کرنے اور مساجد و امام بارگاہوں میں دھماکے کرکے بے گناہ شہریوں کو ہلاک کرنے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت یہ ان کا کام ہے جو مذہبی فساد بھڑکا کر مسلم دنیا پر غلبہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عالم اسلام میں شیعہ سنی فساد کے صہیونی شعلے کو بجھانے کے لیے او۔ آئی۔ سی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل سنت اور شیعہ تنظیموں کے علماء اور لیڈروں کا مشترکہ اجلاس بلاکر امن و سلامتی اور یک جہتی کا لائحہ عمل وضع کریں۔

پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور سپاہ صحابہ کے مابین تصادم میں ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ تیز تر ہوا تو مذہبی جماعتوں نے وطن عزیز میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ملی یکجہتی کونسل تشکیل دی۔ سرکردہ علماء نے باہمی صلاح مشورے سے ضابطہ اخلاق تیار کیا جس کے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے اور خفیہ قوت کے مذموم عزائم خاک میں مل گئے۔ تب کیا ہوا کہ ملی کونسل نے اتحادی قوت کو انتخابی سیاست میں دھکیل دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملی امن وسلامتی کا خواب ادھورا رہ گیا۔

اگرچہ فسادات کی شدت تو ختم ہوگئی ہے لیکن گاہے گاہے سانحات رونما ہوتے رہتے ہیں، خصوصاً محرم کے دنوں میں امن وامان قائم کرنا حکومت کے لیے پیچیدہ مسئلہ بن جاتا ہے۔ سخت انتظامات کے باوجود چند نئے مقامات پر تصادم ہو ہی جاتا ہے، جیسا کہ پچھلے سال راولپنڈی میں تاریخ کا بدترین سانحہ پیش آیا۔ ایسے دلدوز سانحات سے بچاؤ کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ملی یکجہتی کونسل کو ازسرنو غیر سیاسی بنیاد پر قائم کیا جائے جس کو ملک بھر میں کم از کم ضلعی سطح تک منظم و فعال کیا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر مذہب وملت کی عبادت مخصوص عبادت گاہوں میں کی جاتی ہے اور غم اور خوشی کے تہوار مخصوص کھلے مقام پر منائے جاتے ہیں۔ کسی مذہب کے بانی نے جلوس کی صورت میں سڑکوں اور بازاروں میں غم اور خوشی کا اظہار کرنے کا حکم نہیں دیا۔ گلی کوچوں میں نعرہ بازی کرنا عبادت نہیں جمہوری پارٹیوں کی طرح سیاسی قوت کا مظاہرہ ہے۔ نامور شیعہ علماء اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے محتاط الفاظ بیان کرتے ہیں لیکن عام ذاکرین چوراہوں میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے ایسے جملے ادا کرتے ہیں جن کو سن کر اہل سنت کے جذبات مشتعل ہوجاتے ہیں۔

شیعہ قائدین وطن کی سلامتی و یکجہتی کی خاطر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ ماتمی جلوس کو امام بارگاہوں تک محدود رکھیں تو ان کا یہ فیصلہ تاریخ



میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

شیعہ صاحبان یکم سے دس محرم تک شہدائے کربلا کی یاد میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں جن میں وہ ائمہ کرام کے فضائل و مصائب بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیعوں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ جو اس سانحے سے پہلے فوت ہو چکے ہیں ان پر تبرابازی سے گریز کریں۔

سانحہ کربلا 10 محرم کو ہوا۔ اہل سنت اس دن امن عامہ کے تحت چار دیواری سے باہر نہ نکلیں اور چھت پر چڑھ کر جلوس نہ دیکھیں۔ خدانخواستہ صہیونی لابی تخریبی کارروائی کرے اور خواہ مخواہ اہل سنت تماشائیوں کی شامت آجائے۔

ماتمی لباس میں ملبوس شیعہ اہل سنت کو روزمرہ لباس میں دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور وہ اہل سنت کے اسلاف پر طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح تصادم کا خطرہ لاحق رہتا ہے، چنانچہ اہل سنت 9 اور 10 محرم کو روزہ رکھنے کو معمول بنالیں۔

شیعوں کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ اگر کسی سنی محلے میں دو تین شیعہ گھرانے آباد ہوں تو ان کی آڑ لے کر جلوس کا نیا راستہ اختیار کرنے سے اجتناب کریں۔ انتظامیہ اس موقع پر عموماً چوکس ہوتی ہے۔ قانونی طور پر ان کا فرض منصبی ہے کہ انھیں نیا راستہ اختیار نہ کرنے دیں۔

شیعہ صاحبان جن آئمہ کرام کو اپنا امام و پیشوا تسلیم کرتے ہیں اہل سنت بھی ان کی قدر و منزلت کے قائل ہیں بلکہ اہل بیت سے محبت اہل سنت کے ایمان کی بنیاد ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اہل سنت کا اخلاقی فرض ہے کہ امام غائب کی پیدائش سے متعلق واقعات کو ہتک آمیز انداز میں ہرگز بیان نہ کریں بلکہ سلجھے انداز میں اس کی تردید کریں۔

شیعہ پندرہ شعبان کو جشن ظہور امام زمانہ مناتے ہیں۔ اس موقع پر عموماً مقررین بیان کرتے ہیں کہ امام زمانہ آکر غاصبین سے اس اس طرح کا انتقام لیں گے۔ شیعہ حضرات بھی اس قسم کے فتنہ انگیز بیانات سے اجتناب کریں۔

شیعہ سنی تصادم کے دور میں دل آزار اور فتنہ انگیز کتابیں شائع ہوئی۔ ان کو ضبط کیا جائے اور آیندہ اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔ البتہ وہ کتب جن میں شیعہ اور اہل سنت علماء نے تحقیقی انداز میں اپنے موقف کی وضاحت کی ہو اور عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں الزامات کو رد کیا ہو اس قسم کی کتابوں کی اشاعت بدستور جاری رہنی چاہیے تاکہ کفریہ توپ خانہ بند ہو اور تحقیقی ذوق پروان چڑھے۔

محرم کے دنوں میں ریڈیو، ٹی وی پر شہدائے کربلا کے فضائل و مناقب بیان کرنے پر اہل سنت کو قطعاً اعتراض نہیں لیکن اس سانحے کی آڑ میں شیعہ عقائد کا پرچار فتنہ انگیزی ہے، چنانچہ اس قسم کے مقررین کے پروگرام قطعاً نشر نہ کیے جائیں۔ محرم کی طرح خلفائے راشدین کے یوم وفات پر دیگر تفریحی پروگرام بند کیے جائیں۔ ان مخصوص ایام میں خلفاء کے فضائل و مناقب اور اسلامی خدمات کو دعوتی و اصلاحی انداز میں پیش کیا جائے۔

شیعہ کا مذہبی زیدی فرقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہے لیکن وہ خلفائے راشدین کی شان میں توہین نہیں کرتے۔ وہ مسلم ممالک میں جہاں جہاں آباد ہیں وہاں آج تک دنگا فساد کی نوبت نہیں آئی اور وہ امن و امان سے رہ رہے ہیں۔ ان کے برعکس وہ شیعہ جو تبرابازی کو عقیدے کی پہچان سمجھتے ہیں ان لوگوں کے ایسے رویے کی روک تھام از حد ضروری ہے۔

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی شیعہ قیادت کے مرکز امام الاکبر سید ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے گھر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیعہ و دیگر اسلامی فرقوں کے مابین گروہی اختلاف کی بیخ کنی کے لیے "الشیعہ والتصحیح" تحریر کی جو عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں شیعہ سنی نظریاتی اختلاف کی شدت کو راہِ اعتدال پر لانے کے لیے موثر اور کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت سے یقیناً شیعہ سنی اتحاد میں مثبت اور تعمیری انداز میں پیش رفت ہو سکتی ہے۔

اہل بیت عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی حرام ہے۔ حکومت علماء اور قانونی ماہرین کو اعتماد میں لے کر اس کی سزا متعین کرے جس پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے تاکہ مذہبی تصادم کا فتنہ زمین میں دفن ہو جائے۔

شیعہ سنی مذہبی تصادم کے بنیادی سبب اور تدارک کے چند بنیادی پہلوؤں پر خیال کیا ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ علماء کے مشورے سے حتمی لائحہ عمل تیار کرے جس کو قانونی شکل دینے سے صہیونی تنظیم کی نظریاتی جنگ کے شعلوں کو بجھایا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کے فارمولے سے وطن عزیز میں پائیداری امن و استحکام قائم ہو جائے گا اور صہیونی ورلڈ آرڈر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔



ماہِ صفر منحوس نہیں ہے

طارق جاوید عارفی

اس مہینے میں کئی ایسے کارہائے نمایاں انجام پائے جو آج تک اسلام اور اہل اسلام کے لیے فخر کا باعث ہیں

برصغیر پاک و ہند میں خرافات کا اسیر ایک طبقہ ہر وقت کسی نہ کسی نئی فضول حرکت کی تلاش میں رہتا ہے۔ خرافات، توہمات، تلبیسات اور جاہلانہ رسومات ان کا ورثہ ہے۔ اس ٹولے نے اپنے ورثے کی آبیاری کے لیے معاشرے میں جہاں دیگر خرافات اور فضول رسومات کو ترویج دی ہے، وہاں اسلامی سال کے دوسرے مہینے ''صفر'' کے بارے میں بھی عجیب وغریب توہمات اور خرافات پھیلا رکھی ہیں۔ صفر کے ابتدائی تیرہ دنوں کو بطور خاص منحوس سمجھا جاتا ہے اور مٹی کے اور پرانے برتن توڑ دیے جاتے ہیں۔ ان تیرہ دنوں کو تیرہ تیزی کہا جاتا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب بہشتی زیور میں لکھتے ہیں: ''صفر کو تیرہ تیزی کہتے ہیں اور اس مہینے کو نامبارک جانتے ہیں اور بعض جگہ کچھ گھونگنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں کہ اس کی نحوست سے حفاظت رہے۔ یہ سارے اعتقادات شرع کے خلاف اور گناہ ہیں، توبہ کرو۔'' (بہشتی زیور، چھٹا حصہ: 59)

صفر کی نحوست کا یہ عقیدہ آج یا کل کا نہیں، بلکہ پندرہ سو سال سے بھی زیادہ پرانا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بھی اسے باعثِ نحوست سمجھتے تھے اور خیر و بھلائی کے کاموں سے گریزاں رہتے تھے۔ نبیِ رحمت ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اس کی تردید کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا: «لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ» ''مشیت الٰہی کے بغیر کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ بدشگونی لینا درست ہے، (اور الو کی نحوست (یا روح کی پکار) اور نہ ماہِ صفر کی نحوست کی کوئی حقیقت ہے۔'' (صحیح البخاري 5707، و صحیح مسلم: 2220)

حدیث کے الفاظ لَا صَفَرَ کے اہل علم نے تین مفہوم بیان کیے ہیں: ① ان الفاظ سے نبیِ کریم ﷺ نے اہل عرب کے ہاں مشہور صفر کے منحوس ہونے کے عقیدے کی تردید فرمائی ہے۔ اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ یہ ایک فضول اور جاہلانہ عقیدہ ہے۔ اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ دن، ہفتے، مہینے اور سال اللہ نے بنائے ہیں اور اس نے کسی دن کو منحوس و نامبارک نہیں بنایا ہے۔ ② زمانۂ قدیم کے بعض لوگوں کے ہاں معروف و مشہور تھا کہ ''صفر'' پیٹ کے ایک کیڑے کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان کو بھوک لگتی ہے اور بسا اوقات یہ انسان کے پیٹ کو نوچتا بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ محض ان کا توہم ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ③ عربوں کے ہاں مہینوں کی تقدیم و تاخیر کا سلسلہ جاری تھا۔ لڑائی بھڑائی کی خاطر وہ کبھی صفر کو محرم بنا لیتے تھے اور کبھی محرم کو صفر تاکہ ان کا کام بھی نکل آئے اور حرمت والے مہینوں کی گنتی بھی برقرار رہے۔ قرآن مجید نے ان کی اس عبث حرکت کو ''نَسِیئ'' کا نام دیا۔ نبی کریم ﷺ نے لا صفر کے الفاظ فرما کر ان کے اسی غلط رویے کی تردید فرمائی ہے۔

خیال یہ تھا کہ جیسے جیسے تعلیم عام ہو گی، ویسے ویسے اس طرح کے غلط عقائد و نظریات اور واہی افکار خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جیسے جیسے تعلیم عام ہو رہی ہے ویسے ویسے تو ہم پرستی کی جڑیں بھی گہری ہو رہی ہیں۔ بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے افراد بھی نہ صرف توہم پرستی میں مبتلا ہیں بلکہ اسے

حقیقت باور کراتے نظر آتے ہیں۔ وہ شیطانی اثرات سے بچاؤ کے لیے لوگوں کو اس طرح کے لایعنی امور کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں: نئی گاڑی لی ہے تو اس کی کسی چیز کے ساتھ کالی ٹاکی یا جوتے کا ایک پاؤں باندھ دو۔ اس سے یہ نظر بد سے محفوظ ہو جائے گی۔ کوئی سمجھتا ہے کہ بلی راستہ کاٹ گئی ہے اور میں جس کام کے لیے جارہا تھا، وہ اب نہیں ہو سکے گا۔ کوئی گھر سے کام کے لیے روانہ ہوا اور پیچھے سے کوئی آواز دے دے تو جانے والا وہیں ہتھیار پھینک دیتا ہے کہ بس اب جانا فضول ہے اور میرا کام نہیں ہو پائے گا۔ کسی کو روانگی کے وقت چھینک آئے تو پکار اٹھتا ہے، اب میں روانہ نہیں ہوں گا کیونکہ چھینک آ گئی ہے جو نحوست کی علامت ہے۔ کوئی کہتا ہے، اَجی کیا بتاؤں آج تو سارا دن ہی برباد ہو گیا کیونکہ صبح گھر سے نکلتے ہی فلاں منحوس شخص سے سامنا ہو گیا تھا۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں: ''افسوس کہ اب تک ہندوستان کے مسلمان ایسے ہی خیالات میں مبتلا ہیں کہ کسی تاریخ کو منحوس سمجھتے ہیں۔ کسی دن کو نامبارک جانتے ہیں۔ تیرہ تیزی کے صدقے نحوست کو دفع کرنے کے لیے نکالتے ہیں۔ اسلام میں ان باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ سب دن اللہ کے ہیں اور جو اس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے، وہ ضرور ہونے والا ہے۔ نجومی اور پنڈت سب جھوٹے ہیں۔'' (لغات الحدیث: 605/2)

جوں جوں عقیدۂ توحید پر ہماری گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے، توں توں ایمان کمزور ہو رہا ہے اور ضعیف الاعتقادی غالب آرہی ہے، نیز جاہلانہ تصورات نہ صرف جنم لے رہے ہیں بلکہ جڑ پکڑ رہے ہیں۔

یاد رکھیے! مندرجہ بالا تمام نظریات عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کے خلاف ہیں جن سے شرک کی بُو آتی ہے۔ ان شرکیہ نظریات کی تردید اور شرک اکبر کی طرف لے جانے والے چور دروازوں کے انسداد کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کی سخت مذمت فرمائی ہے اور انھیں باطل قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ ثَلَاثًا وَمَا مِنَّا إِلَّا وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ» ''بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، تین بار فرمایا۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی وہم ہو جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے زائل کر دیتا ہے۔'' (سنن أبي داود: 3910)

مطلب یہ کہ وہم کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ شیطان ایسے وساوس عام ڈالتا رہتا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ پر بھروسہ اور کامل یقین کر لیا جائے تو وہ توہم پرستی کا خاتمہ کر دے گا۔ لیکن اگر اس توہم پر یقین کر لیا جائے اور اس کے مطابق کسی کام پر عمل کیا جائے یا کسی کام سے رکا جائے تو یہ شرک ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ فَقَدْ أَشْرَكَ» ''جس شخص کو بدشگونی کسی کام سے روک دے تو یقیناً اس نے شرک کیا۔'' (صحيح الجامع للألباني: 6264)

آخری چہار شنبہ کی حقیقت

صفر کے آخری بدھ کے متعلق ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ ایک دفعہ بیمار ہوئے تھے تو اسی دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دی تھی، لہٰذا آپ نے اس ضمن میں عمدہ اور لذیذ حلوہ کھایا تھا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اس دن کو ''یوم غسل صحت'' کے طور پر مناتے ہیں۔ ثواب کی نیت سے صبح صبح باغات میں چہل قدمی کرتے ہیں، شرینی تقسیم کرتے ہیں۔ بڑی بڑی محافل کا انعقاد کرتے اور حلووں مانڈوں کی دعوتیں اڑاتے ہیں۔ مریضوں کو صحت یابی کے لیے تعویذ یا چھلہ پہناتے ہیں اور پوری کی رسم بھی ادا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور کے مخالف شرع ہونے میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے کیونکہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے ماہِ صفر کے آخری بدھ بیماری سے شفا پائی ہو اور غسل صحت فرمایا ہو۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ محض واہیات قصوں پر اعتماد کر کے لوگوں میں گمراہی پھیلائی جارہی ہے۔ لیکن اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس خرافی طبقے کے ''اعلیٰ حضرت'' بھی ان امور کو خرافات ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان افعال کی تفصیل اور ان کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر انھی کے بانی مبانی عالم شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی کتابوں سے بلاتبصرہ نقل کرتے ہیں:

سوال: علمائے دین متین، وارثانِ حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسائل ذیل میں کیا ارشاد ہے: ''ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی نسبت جو یہ مشہور ہے کہ سید عالم ﷺ نے اس میں غسل صحت فرمایا۔ اس بنا پر تمام ہندوستانی مسلمان اس دن کو روز عید سمجھتے ہیں اور غسل و اظہار فرح و سرور کرتے ہیں، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟''

جواب: ''یہ محض بے اصل ہے۔'' (فتاوی عرفان شریعت از مولانا احمد رضا خان، حصہ دوم، ص: 43,42)

موصوف کی دوسری کتاب ''احکام شریعت'' میں بھی ایک سوال، جواب یوں مذکور ہے:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز رسول کریم ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی۔ بنا بریں اس روز کھانا وشرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں؟'' علی ھذا القیاس

مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں، کہیں اس روز کونحس و نا مبارک جان کر پرانے برتن گلی میں ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ ﷺ مریضوں کو استعمال کرتے ہیں وغیرہ۔ یہ جملہ امور بر بنائے صحت پانے رسول اللہ ﷺ عمل میں لائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے یا نہیں؟ اور فاعل و عامل اس کا بر بنائے ثبوت یا عدمِ ثبوت مرتکب معصیت ہو گا یا قابل ملامت وتأدیب؟

الجواب: آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت پائی حضور سید عالم ﷺ کا کوئی ثبوت بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی، اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے، «آخِرُ أَرْبِعَاءَ مِنَ الشَّهْرِ يَومٌ نَحْسٌ مُسْتَمِرٌّ» ''بدھ کا دن مستقل نحوست کا دن ہے۔'' (یہ حدیث سخت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 1581) اور مروی ہوا کہ ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی دن تھی۔ اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتنوں کو توڑ دینا گناہ اور اضاعتِ مال ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں بالکل بے اصل اور بے معنی ہیں۔ (احکام شریعت، حصہ دوم، ص: 194,193)

قارئین کرام! آخری چہار شنبہ کی بابت مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ آپ نے پڑھ لیا ہے جو کسی تشریح یا تبصرے کا محتاج نہیں۔ کیا یہ طبقہ اس فتوے کا احترام کرتے ہوئے قوم کو رسومات و بدعات کی دَلدَل سے نکالنے کی مخلصانہ کوشش فرمائے گا۔

ماہ صفر تاریخی تناظر میں

جب ہم تاریخ کے تناظر میں ماہِ صفر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا کہ اس مہینے کی نحوست اہل اسلام کے راستے کی دیوار بنی ہو اور انھیں کسی خسارے، نقصان یا شکست و ریخت سے دو چار ہونا پڑا ہو بلکہ کتب تواریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس دکھائی دیتی ہے کہ اس مہینے میں کئی ایسے کار ہائے نمایاں انجام پائے جو آج تک اسلام اور اہل اسلام کے لیے فخر کا باعث ہیں۔ اگر ماہِ صفر واقعی منحوس تھا تو اس مہینے میں مسلمانوں کو اس قدر خوشی کے مواقع میسر نہیں آنے چاہیے تھے، مثلاً: کفار سے لڑائی کی اجازت ملی، بالفاظ دیگر جہاد کا آغاز سن دو ہجری صفر کے مہینے میں ہوا۔ جہاد کو اسلام کی چوٹی کہا جاتا ہے۔ تو کیا نعوذ باللہ اس بدعقیدے کی روشنی اس کی چوٹی منحوس قرار پائے گی۔ صفر دو ہجری ہی میں غزوۂ اَبوا یا وَدّان پیش آیا۔ یہ پہلی فوجی مہم تھی جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود تشریف لے گئے تھے۔ گویا اسلامی حکومت کے استحکام کا آغاز صفر کے مہینے سے ہوا۔ اسی طرح یکم صفر 12 ہجری کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ایرانی سپہ سالار قارن بن قریانس کے مابین جنگ مذار (عراق) لڑی گئی جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور 30 ہزار ایرانی مارے گئے۔ اسی ماہِ صفر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس میں کسریٰ کا مکمل غرور خاک میں ملا اور دنیائے کفر کی بڑی طاقت ایران شکست و ریخت سے دو چار ہوئی، چنانچہ 26 صفر 16ھ کو جمعۃ المبارک کے دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن فتح کیا۔ کسریٰ کے قصر ابیض (وائٹ ہاؤس) میں منبر رکھا اور نماز جمعہ ادا کی۔ یہاں اسی سرزمین پر پہلا جمعہ ادا کیا گیا۔ غور کر کے انصاف کیجیے کہ یہ صفر کی نحوست تھی یا برکت؟ یکم صفر 99 ہجری کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک فوت ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ صفر میں شروع ہونے والی یہ خلافت کس قدر بابرکت اور شاندار تھی، اس کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ اکثر اہلِ سیر نے اس عرصۂ حکومت کو خلافتِ راشدہ میں شمار کیا ہے۔ 23 مارچ 1940 کو جب قرار دادِ لاہور میں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تو یہ صفر ہی کا بابرکت مہینہ تھا۔ اگر یہ منحوس تھا تو گویا نعوذ باللہ پاکستان کا وجود بھی منحوس ہے۔ نہیں، بالکل ایسا نہیں ہے، پاکستان الحمدللہ! منحوس نہیں، مسعود ہے اور تاقیامت مسعود رہے گا۔ 28 مئی 1998ء کو پانچ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان دنیا کی پہلی اسلامی ایٹمی طاقت بن گیا۔ تاریخ دانوں کو یاد ہو گا کہ جس دن پاکستان کے ایٹمی قوت ہونے کا آغاز ہو رہا تھا، اسی دن سے ماہِ صفر کا بھی آغاز ہوا تھا اور اس کی یکم تاریخ تھی۔ کیا ماہِ صفر کی نحوست کا عقیدہ رکھنے والے ایٹمی دھماکوں اور پاکستان کے ''پہلی اسلامی ایٹمی طاقت'' کے اعزاز کو بھی نحوست قرار دیں گے۔ اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

حاتم طائی کی بستی میں

عرب کے مشہور سخی کے علاقے کی سیر کی دلچسپ اور معلومات افزا روداد

عبدالمالک مجاہد

ایک مدت سے راقم الحروف کی خواہش تھی کہ میں جبل السمر اء کے اوپر واقع اس مُوقَد، یعنی الاؤ کی جگہ کو دیکھوں جہاں حاتم طائی کے حکم سے مدتوں آگ جلتی رہی تھی اور جس کے بارے میں حاتم طائی اپنے غلاموں سے کہتا تھا: سمراء کے اوپر آگ جلاؤ، اگر اس آگ کو دیکھ کر کوئی بھولا بسرا مسافر آ گیا اور اس نے میرے مہمان خانے سے کھانا کھا لیا تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔ مجھے مختلف احباب سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حاتم طائی کا قصر، اس کا گاؤں اور اس کی حکومت کا علاقہ سعودی عرب کے موجودہ شہر حائل سے زیادہ دور نہیں۔ میں اپنے گھر کے قریب جس مسجد میں نماز ادا کرتا ہوں وہیں نماز پڑھنے والا ایک سعودی ابوسطام بندر الشمری اسی علاقے کا رہنے والا ہے۔ ہم بعض اوقات مسجد میں بیٹھ جاتے۔ وہ مجھے اپنے علاقے کے بارے میں مطلع کرتا رہتا۔ شمری قبیلہ عرب کا مشہور اور مانا ہوا قبیلہ ہے جو اپنی جرأت، طاقت، کرم اور شہرت کے اعتبار سے بڑا ممیّز ہے۔ یہ علاقہ صدیوں پہلے حاتم طائی کا علاقہ تھا، وہ یہاں کا حکمران تھا۔ اس علاقے میں دو مشہور پہاڑ ہیں ایک کا نام ''أجا'' ہے دوسرے کا نام ''سلمیٰ'' ہے۔ یہ دراصل آپس میں محبت کرنے والے مرد و عورت تھے جن کے نام سے یہ پہاڑ موسوم ہیں۔ یہ علاقے سیکڑوں مربع کلومیٹر پر مشتمل ہیں۔

حاتم طائی کے بارے میں اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ مسلم ممالک میں شاید ہی کوئی پڑھا لکھا ایسا شخص ہو، بطور خاص جسے تاریخ سے دلچسپی ہو اور وہ حاتم کے نام سے واقف نہ ہو۔ یہ شخص بلاشبہ سخاوت میں ضرب المثل تھا۔ میں خاصے عرصے سے اس علاقے کی سیر کا پروگرام بنا رہا تھا، مگر مصروفیات..... وہ تو خیر کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ گزشتہ سال بھی پروگرام بنایا تو معلوم ہوا کہ آج کل اس علاقے میں شدید سردی ہے، لہٰذا موسم تبدیل ہو لینے دیں۔ پھر گرمی کا موسم آ گیا، اب جناب شدید گرمی ہے، ذرا موسم ٹھنڈا ہو جائے تو پھر جانا چاہیے۔ ایک دن میں نے القصیم برانچ کے منیجر ضیاء تبسم سے پوچھا کہ حائل کے علاقے میں بھی دارالسلام کا کوئی گاہک ہے۔ جواب ملا: کیوں نہیں؟ ہمارے وہاں متعدد گاہک ہیں۔ کتنے ہی لوگ آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ کئی مرتبہ آپ کے بارے میں پوچھ بھی چکے ہیں۔ پھر آخر وہ دن آ ہی گیا جب میں نے بیٹے عزیزم عبدالغفار مجاہد سے کہا کہ 22 ستمبر 2014ء کو حائل کے لیے میری سیٹ کی بکنگ



کروا دے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ بچوں کی ماں بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ کہنے لگیں: میں بھی اس علاقے کو دیکھنے کی خواہش رکھتی ہوں۔ آخر آپ اکیلے کیوں جائیں، میں نے کہا: اس سے بڑی خوشی کی کیا بات ہوگی، تم ضرور چلو۔ یہ تو اور بھی اچھا ہو جائے گا۔ میں نے عبدالغفار کو اشارہ دے دیا کہ بھئی ایک کی بجائے دو سیٹیں بک کروا دو۔ 23 ستمبر کو سعودی عرب کا نیشنل ڈے ہے، اس روز چھٹی ہے۔ ہم 22 کو جائیں گے اور ان شاء اللہ 23 ستمبر کی شام کو واپس ریاض آ جائیں گے۔ اس مرتبہ میں نے کوئی پندرہ بیس دن پہلے پروگرام فائنل کر لیا تھا۔ ورنہ عموماً میرے پروگرام اس لیے بھی کینسل ہو جاتے کہ جناب سیٹ نہیں مل رہی۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ سعودی عرب میں ہوائی جہازوں کے کرائے اتنے زیادہ نہیں، اس لیے بے شمار لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔ چند منٹوں کے بعد عبدالغفار نے مجھے بتا دیا کہ ابو جان 22 ستمبر کو دوپہر بارہ بجے کی سیٹ مل گئی ہے۔ ایک فلائٹ شام کی بھی ہے، مگر وہ مکمل فل ہے۔ میں نے کہا: اب ذرا حائل میں ہوٹل دیکھو۔ کہنے لگا: حائل چھوٹا سا شہر ہے، یہاں پر فائیو سٹار تو نہیں البتہ فور سٹار ہوٹل موجود ہیں۔ دس منٹ کمپیوٹر کے ساتھ کھیلنے کے بعد کہنے لگا: میری سمجھ کے مطابق سب سے اچھا ہوٹل ''گولڈن ٹیولپ'' ہے۔ ایک رات کے لیے کمرہ چھ سو ریال میں مل رہا ہے۔ 22 ستمبر کو ان کے پاس صرف چند کمرے خالی ہیں۔ میں نے کہا: جلدی سے کمرہ بک کر ڈالو، کہیں یہ بھی نکل نہ جائے۔ چند دن بعد کہنے لگا: ابو! ہوٹل والوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ محض تیس ریال زیادہ دے دیں تو آپ کو ایگزیکٹو کلاس میں پروموٹ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا: چلو کوئی حرج نہیں، ہم بھی ایگزیکٹو کلاس کا مزا لے لیتے ہیں۔

برادر عزیز منیب کبریا صاحب کو معلوم ہوا کہ میں حائل آ رہا ہوں تو انھوں نے بھی اس خواہش کا پیغام بھجوایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ پہلے تو میرا ارادہ یہ تھا کہ میں جیسے ہی ایئرپورٹ پر اتروں گا، گاڑی رینٹ پر لے لوں گا۔ مگر اب منیب کی وجہ سے سہولت ہو گئی کہ وہ گاڑی لے کر آ جائیں گے۔ منیب کبریا صاحب میرے بچوں کے ماموں ہیں، میرے خالہ زاد بھی ہیں۔ نوجوان ہیں، پُرعزم ہیں۔ دارالسلام مدینہ برانچ کے منیجر ہیں۔ کہنے لگے: آپ جیسے ہی ایئرپورٹ پر اتریں گے میں ان شاء اللہ آپ کے استقبال کے لیے گاڑی لیے کھڑا ہوں گا۔

حائل میں جناب افتخار چیمہ صاحب کوئی دو دہائیوں سے مقیم ہیں۔ اصل وطن وزیرآباد پاکستان کے گرد و نواح میں ہے۔ زمیندار فیملی سے تعلق ہے۔ یہاں سعودی عرب میں بھی انھوں نے ''جٹوں،، والا کام شروع کر رکھا ہے۔ انھوں نے کوئی تین مربع زرعی رقبہ کرایہ پر لے کر وہاں مزرعہ بنایا ہوا ہے۔ بہت ساری سبزیاں کاشت کراتے ہیں۔ گائیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ بکریاں بھی پال رکھی ہیں۔ کوئی دس کے قریب ملازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب عزت سے نوازا ہوا ہے۔ مجھے ضیاء تبسم نے بتایا تھا کہ چیمہ صاحب دارالسلام اور اس کی کتب کے بڑے معترف ہیں۔ میں نے ان سے فون پر بات کی تو کہنے لگے: آپ ضرور آئیں ہم آپ کے لیے چشم براہ ہیں۔ آپ کو علاقے کی سیر کرائیں گے۔ حاتم طائی کے محلات بھی دکھلائیں گے۔ چونکہ راستہ کچا ہے، اس لیے وہاں جانے کے لیے بڑی اور بھاری گاڑی کا بھی بندوبست کر لیں گے۔

حائل میں مکتب تعاونی لتوعیۃ الجالیات کا بھی بڑا دفتر اور مرکز ہے۔ وہاں ہمارے دوست معراج ربانی صاحب ہیں۔ میں نے ان سے

رابطہ کیا۔ وہ بھی بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہوئے ملے اور کہنے لگے: آپ تشریف لائیں ہم آپ کو اپنے مدیر سے ملائیں گے اور اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کریں گے۔ وسط ریاض میں دن کے وقت اگر آپ کو ایئرپورٹ جانا ہے تو آپ کو خاصا وقت لے کر گھر سے نکلنا ہوگا، کیونکہ بعض اوقات ٹریفک اس طرح جام ہو جاتی ہے کہ آپ کی فلائٹ مس ہو جانا باعث تعجب نہیں۔

ریاض سے حائل کا سفر ہوائی جہاز سے محض ایک گھنٹے کا ہے۔ اس لیے جہاز میں سوائے جوس کے ایک گلاس کے کچھ نہ تھا۔ حائل کا ایئرپورٹ بہت چھوٹا سا ہے۔ ہوائی جہاز ایئرپورٹ کی عمارت کے عین سامنے کھڑا ہوا۔ وہاں سے لاؤنج محض دو منٹ پیدل کی مسافت پر ہے ۔ میرے نزدیک موبائل فون عصر حاضر کی بہترین ایجاد ہے۔ ہوائی جہاز کے اندر ہی منیب کبریا کی کال آ چکی تھی کہ وہ ایئرپورٹ کے باہر موجود ہیں۔ ایئرپورٹ سے ہمارا رخ فندق گولڈن ٹیولپ کی طرف تھا۔ راستہ سمجھنے کے لیے ہمارے پاس افتخار چیمہ صاحب کا فون نمبر موجود تھا۔ حائل چھوٹا سا تو شہر ہے۔ اب ہم حاتم طائی کے شہر اور علاقے میں تھے۔ حاتم کے آباء واجداد یمن سے اس علاقے میں آئے تھے۔ یہ لوگ یمن کے شہزادے تھے۔ اس علاقے میں ''توران'' نامی جگہ پر ان کے محلات تھے۔ حائل کا علاقہ اور توران نامی بستی عین اس سڑک کے کنارے واقع ہیں جو عراق سے مدینہ شریف اور پھر مکہ مکرمہ تک جاتی تھی۔ اس زمانے میں پکی سڑکوں کا تو کوئی تصور نہ تھا، تاہم راستے ضرور بنے ہوئے تھے۔ قافلے انھی راستوں پر چلتے تھے۔

ان قافلوں کے باقاعدہ روٹ متعین تھے۔ جس جگہ پڑاؤ ڈالتے، اس جگہ کا انتخاب بڑی سمجھ داری سے ہوتا تھا۔ اس بات کا اہتمام ہوتا کہ اس جگہ پانی وافر مقدار میں میسر ہو۔ جانوروں کے لیے چارہ اور قافلہ والوں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی ممکن ہو۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اس کے علاج کے لیے حکیم اور طبیب کا موجود ہونا بھی ضروری تھا۔ توران نامی بستی اور علاقے میں حاتم طائی کی وجۂ شہرت یہی تھی کہ یہاں سے قافلے بڑی کثرت کے ساتھ گزرتے تو حاتم طائی کے مہمان ہوتے۔

حاتم طائی کی شہرت دور دور تک اور اتنی زیادہ تھی کہ کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ حاتم کے گھر جائے اور وہاں سے ضیافت کا وافر حصہ لیے بغیر واپس چلا آئے۔ اس سلسلے کے کتنے ہی واقعات ہیں جو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھے ہیں۔ ایک واقعہ پڑھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک بدو حاتم طائی کے گھر آیا اور آ کر کھانے پینے کا سوال کیا۔ اپنا حق ضیافت طلب کیا۔ حاتم نے آزمانے کے لیے اسے جھڑک دیا۔ کہنے لگا: یہ کیا بات ہوئی، جس شخص کا جی چاہا وہ منہ اٹھا کر حاتم کے گھر چلا آتا ہے اور کھانے پینے کا سوال کرتا ہے۔ بھاگ جاؤ! میرے پاس تمھارے لیے کچھ نہیں۔ وہ بدو بڑا شرمندہ ہوا۔ وہاں سے دور اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حاتم نے اپنا بھیس بدلا اور اسی بدو کے پاس پہنچ گیا۔ اس کو دیکھا تو پوچھا: ہاں عرب بھائی! تم کدھر سے آئے ہو اور کدھر کا ارادہ ہے؟ بدو کہنے لگا: میں حاتم کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس سے ملنے کا بہت شوق تھا، وہ آج پورا ہو گیا ہے۔ حاتم نے کہا: اچھا تو تم حاتم کے پاس سے آ رہے ہو! جب اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے تمھارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ بدو کہنے لگا: حاتم نے میرے ساتھ حسب عادت بڑا اچھا سلوک کیا۔ اس نے مجھے کھانا کھلایا، ٹھنڈا پانی پلایا اور میری خوب ضیافت کی۔

حاتم نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا، ہنستے ہوئے بدو سے کہنے لگا کہ تم جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟ میں ہی وہ حاتم ہوں جس کے پاس تم تھوڑی دیر پہلے آئے تھے۔ میں نے تو تمھیں کوئی کھانا وغیرہ نہیں کھلایا۔ نہ ہی حق ضیافت ادا کیا۔ بدو کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر میں پورے عرب میں کسی بھی شخص سے یہ بات کہوں کہ میں حاتم طائی کے پاس گیا تھا، میں بھوکا اور پیاسا تھا، مگر اس نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میری ضیافت نہیں کی تو لوگ مجھے پرلے درجے کا جھوٹا انسان کہیں گے، کوئی بھی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ لوگ مجھے مجنون، پاگل اور دیوانہ کہیں گے۔

حاتم بدو کی بات سن کر مسکرا دیا۔ اس بدو کو گلے سے لگایا اور اسے ہمراہ لے کر اپنے گھر آیا۔ اس نے اس کے لیے اونٹ ذبح کیا اور اسے نہایت احترام سے کھلایا اور اس کی عزت افزائی کی۔

ہم جب ہوٹل میں پہنچے تو استقبال پر موظف کمپیوٹر سے میرا ریکارڈ چیک کرنے کے بعد گویا ہوا کہ جناب ہمارے پاس تمام کمرے



فل ہیں۔ مگر اس میں قصور ہمارا ہے۔ مسکراتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم آپ کو طے شدہ پرائس ہی میں مکمل سویٹ دے دیتے ہیں۔ سویٹ واقعی بڑا خوبصورت تھا۔ اس میں دنیا جہان کی سہولتیں میسر تھیں۔ منیب کبریا صاحب بڑی عمدگی سے ہماری تمام ضروریات پوری کر رہے تھے۔ طے پایا کہ ہم عصر کی نماز سے پہلے ''توران'' کی طرف روانہ ہو جائیں۔ برادرم چیمہ صاحب اپنے ایک قریبی دوست جناب عارف چدھڑ صاحب کو لے کر ہوٹل پہنچ گئے۔ چدھڑ صاحب کے پاس نئی نویلی ''پراڈو'' تھی جو اس قسم کے سفر کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اہلیہ تو اپنے بھائی منیب کے ساتھ ہی گاڑی میں رہیں اور میں پراڈو میں بیٹھ گیا۔ عارف چدھڑ صاحب سے تعارف ہوا۔ یہ پنڈی بھٹیاں (پاکستان) کے قرب و جوار کے رہنے والے ہیں۔ شکل وصورت سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ ان کا آسودہ گھرانے سے تعلق ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے آباء واجداد اپنے علاقے کے سرکردہ افراد تھے۔ کئی مربع زمین ان کے اور ان کے بھائیوں کے حصے میں آئی ہے، مگر وہاں کی داخلی سیاست، گروہ بندی، مقدمات، آپس میں حسد اور عناد کی وجہ سے وہ حائل جیسے علاقے میں بڑے سکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی، کہنے لگے: میں پاکستان میں بھی نماز کا اہتمام کرتا تھا۔ یہاں تو نیکی کرنے کے لیے سازگار ماحول ہے، بہت سی آسانیاں ہیں۔ وہ اس علاقے کی تاریخ سے خوب واقف ہیں۔ ان کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے دیہی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں، مگر ان کی معلومات حیران کن حد تک وسیع تھیں۔ کہنے لگے: مجھے بھی سیر و سیاحت کا بڑا شوق ہے۔ ہم نے چھوٹی گاڑی توران سے پہلے ایک کھلی جگہ پر مسجد کے ساتھ کھڑی کر دی۔ اب ہم سب پراڈو میں بیٹھ کر توران کی طرف روانہ تھے۔ سعودی حکومت نے اب اس علاقے کو خاص ترقی دے دی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی تاریخی شاہراہ وہی چلی آ رہی ہے جو صدیوں پرانی تھی۔ اب راستہ کچا شروع ہوگیا۔ وادی کے درمیان سے گزرتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ کبھی یہاں سے بڑے بڑے قافلے گزرتے ہوں گے۔ اس سڑک کے کنارے کتنے ہی میٹھے پانی کے کنویں ہیں۔ پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ آپ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم لوگ کوئی بیس پچیس منٹ کے بعد توران نامی بستی کو دائیں طرف چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حاتم طائی کا یہی گاؤں تھا۔ کبھی یہ اس علاقے کا مرکزی مقام تھا مگر اب اس میں کوئی چالیس پچاس گھر آباد ہوں گے۔

واضح نظر آ رہا تھا کہ اب یہاں بہت کم لوگ بستے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم حاتم طائی کی اولاد میں سے ہیں۔ اکثر گھر کچے نظر آئے۔ ہم حاتم طائی کے محل کے کھنڈر دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے توران کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ میری خواہش تھی کہ میں حاتم طائی کی اولاد میں سے کسی شخص سے ملوں اور اس سے معلوم کروں کہ کیا اب بھی ان کے ہاں مکارم اخلاق کی پرانی روایات چلی آ رہی ہیں؟ حاتم طائی واقعی سخاوت میں ضرب المثل بن گیا تھا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں اس شخص کے بارے میں حیران کن حد تک واقعات پڑھ رکھے ہیں۔ اس سفر کو اختیار کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ میں خود اور ہمارے قارئین بھی ان واقعات کو پڑھ کر مکارم اخلاق میں آگے بڑھ جائیں۔ اسلام نے مکارم اخلاق پر خوب زور دیا ہے۔

حاتم طائی کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۂ توحید رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل رکھنے والا انسان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حاتم خود بھی شاعر تھا۔ اس کی والدہ بھی شاعرہ تھی۔ قارئین کو خوب معلوم ہے کہ اس زمانے میں کسی عرب کا شاعر ہونا بہت بڑی صلاحیت اور لیاقت تھی۔ حاتم کی ایک ہی بیٹی سفانہ تھی جو اپنے بھائی عدی سے بارہ سال بڑی تھی۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح بہت سخاوت کرنے والی اور مہمانوں کی عزت و احترام کرنے والی اور انھیں کھلانے پلانے والی خاتون تھی۔ جہاں تک عدی کا تعلق ہے تو وہ پیدائشی حاکم اور سخی انسان تھا۔ حاتم کے بارے میں اس کی والدہ نے جو بیان کیا وہ پڑھنے والا ہے: حاتم کا ایک اور بھی بھائی تھا۔ حاتم کی شہرت سے متاثر ہو کر اس نے بھی سوچا کہ میں بھی سخاوت کروں، لوگوں کو کھانے کھلاؤں تاکہ مجھے بھی حاتم جیسی عزت وشہرت مل جائے۔ مگر اس کی تمام تر کوشش کے باوجود لوگ ہر جگہ حاتم ہی کا نام لیتے تھے۔ ایک دن حاتم کی والدہ نے اپنے اس بیٹے کو بلوایا اور کہنے لگی: سنو! تم کبھی

حاتم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ خود بھی بڑی سخی عورت تھی۔ بیٹے نے کہا: آخر میں بھی تو اسی کا بھائی ہوں، مال و دولت میں کسی سے کم نہیں ہوں، کیوں میں حاتم کا مقابلہ نہیں کر سکتا؟

اس کی والدہ نے کہا: سنو! جب میں حاتم کو دودھ پلاتی تھی تو اس کے ساتھ ساتھ ایک یتیم بچے کو بھی دودھ پلاتی تھی۔ حاتم میری چھاتی سے لگتا تو صرف دائیں طرف سے دودھ پی کر سیر ہو جاتا۔ میں اسے بائیں طرف کرتی تو وہ اسے اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے چھوڑ دیتا۔ کیا مجال ہے اس نے اپنے بھائی کے حصے پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش کی ہو۔

جہاں تک تمھارا تعلق ہے تو یہ عجیب اتفاق تھا کہ جب میں تمھیں دودھ پلا رہی تھی تو بھی میرے پاس ایک یتیم بچہ تھا جسے میں دودھ پلاتی تھی۔ تم اپنے حصے کا دودھ پی کر دوسری طرف سے دودھ پینے کی کوشش کرتے۔ تم لڑتے، خوب روتے، اپنے سوتیلے بھائی کو مارتے کہ وہ میری گود میں کیوں ہے۔

قارئین کرام! سخاوت، ضیافت اور مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک پر اسلام نے خوب توجہ دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ» ''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت وتکریم کرے۔'' (صحيح البخاري: 6018) یہ آپ ﷺ کی طرف سے امت کو مکارم اخلاق کی تلقین ہے۔ بلاشبہ حاتم طائی بھی مہمانوں کی عزت کرنے والا، ان کو کھانے کھلانے والا اور صلہ رحمی کرنے والا تھا۔

حاتم طائی کا قصر کچی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ یہ جگہ کوئی دو تین کلومیٹر چوڑی ہوگی اور لمبائی کا صحیح اندازہ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شام اور عراق سے مدینہ طیبہ جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ قصر کے اندر داخل ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ دو منزلہ تھا۔ چند ایک کمروں کی چھت کے علاوہ دوسرے کمروں کی چھت بھی اڑ چکی ہے۔ قصر کے کئی کمرے تھے۔ اسے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی یہ علاقہ اور جگہ آنے جانے والے قافلوں کا پڑاؤ بنتی ہوگی۔ خاصی کھلی جگہ ہے۔ یقیناً قصر کے علاوہ خیمے بھی لگے ہوں گے۔ ان کمروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاتم کس شان اور ٹھاٹھ سے رہتا ہوگا۔ اگر آپ قصر کے سامنے کھڑے ہوں تو دائیں جانب آپ کو کھجوروں کا باغ نظر آئے گا۔ آج بھی کثرت اشجار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صدیوں تک لوگ آباد رہے ہیں۔ یہاں پانی کے متعدد کنویں ہیں۔ یہ قصر سڑک کے بالکل کنارے واقع ہے۔ میں تصور میں ایک ایسے لمبے قد کے بھاری بھرکم شخص کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ملازمین کی فوج ظفر موج رکھنے کے علاوہ خود بھی اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کی خدمت کرتا تھا۔ اگر خوش قسمتی سے کسی گھرانے میں کوئی اچھے اخلاق وکردار والا بہادر شخص پیدا ہو جائے تو مدتوں اس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ اعلیٰ اخلاق، مہمانوں کی خدمت، تحمل، بردباری اور سوچ سمجھ کر بات کرنا، کسی کے ساتھ اعلیٰ معاملہ کرنا، یہ سب اللہ کی دین ہے، اس کی طرف سے تحفہ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بحرین کے علاقے سے ایک وفد آتا ہے یہ لوگ آپ ﷺ کی زیارت کے مدتوں سے خواہش مند تھے۔ جیسے ہی یہ لوگ اونٹوں سے اترے، بھاگتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ایک شخص جس کا نام اشج بن قیس تھا، وہ آرام سے سواری سے اترتے ہیں، اپنے ڈیرے پر جا کر غسل کرتے ہیں، اپنے میل کچیل کو صاف کرتے ہیں، نئے کپڑے زیب تن کرتے ہیں اور پھر خراماں خراماں چلتے ہوئے مسجد نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اس محبّ کا بڑے اچھے انداز میں استقبال کیا اور پھر اسے ایک سرٹیفکیٹ، اعزاز اور تمغہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ : الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ» ''تم میں دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، ان میں ایک تو حلم ہے اور دوسری سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔''

اشج بن قیس نے سوال کیا: اللہ کے رسول ﷺ یہ صفتیں مجھ میں شروع دن سے پائی جاتی ہیں یا ابھی میرے اندر یہ نئی پیدا ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں صفتیں شروع دن سے تم میں موجود ہیں۔ (الأدب المفرد: 587)

ہمارے ہاں ایک محاورہ بہت مشہور ہے: ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، یعنی جن بچوں کو آگے جا کر بڑا آدمی بننا ہوتا ہے، بچپن ہی سے وہ بڑے مختلف اور نرالے ہوتے ہیں۔ تو بات ہو رہی تھی کرم اور سخاوت کی، اس میں کوئی شبہ نہیں



کہ ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو کرم، ضیافت اور جود وسخا کی علامت ہوتے ہیں۔

عصر حاضر میں اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ کون شخص جود وسخاوت میں سب سے اعلیٰ تھا تو میرے نزدیک ان کا نام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ہے۔ یہ عظیم شخصیت جو سعودی عرب کے مفتی اعظم تھے، ان کی بہت ساری خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ان کا گھر دن میں دو وقت ہر خاص و عام کے لیے کھلتا تھا۔ اگر یہ ریاض میں موجود ہیں تو دوپہر اور رات کے کھانے کی دعوت عام ہوتی تھی۔ دوپہر اور عشاء کے بعد دسترخوان لگ جاتے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے جتنے لوگ ہوتے، ان میں اعلان کیا جاتا کہ دوسرے کمرے میں جا کر کھانا کھالیں۔ ان میں فقراء، امراء، نہایت پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سبھی شامل ہوتے۔ سبھی کھانا کھاتے، کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ کھانا بڑا سادہ مگر مزیدار ہوتا۔ ہر روز ہی گوشت اور چاول ہوتے۔ راقم الحروف کو متعدد بار شیخ ابن باز کے گھر کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ شیخ ابن باز خود بھی اس کھانے میں شریک ہوتے تھے۔ میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کا گھر ہر روز دو مرتبہ ہر خاص و عام کے لیے اس طرح کھلتا ہو۔ وہ خود بھی اسی کھانے میں شریک ہوتا ہو جس میں اعیانِ حکومت، شہزادے اور امراء بھی کھانے میں شریک ہوتے ہوں۔

ہم بات کر رہے تھے حاتم طائی کی کہ اس نے یہ شہرت وعزت کیسے پائی اور اس نے کس طرح اپنے مخالفین کے دل جیتے۔ یہ بات ہمیں ماننا پڑے گی کہ اس شخص نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ شہرت وعزت اسے یوں ہی نہیں مل گئی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حاتم طائی اپنے علاقے ہی میں گھر سے دور کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اجنبی شخص اس کے پاس سے گزرا۔ حاتم نے پوچھا: بھئی! کدھر آئے ہو، کیا کام ہے؟ اجنبی نے کہا: میں حاتم طائی کی تلاش میں ہوں، اسے کہاں، کیسے اور کب مل سکتا ہوں؟ حاتم نے پوچھا: تم اسے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ اجنبی نے جواب دیا: میں بھی اپنے علاقے کا بڑا سخی آدمی ہوں۔ میں بھی لوگوں کو بڑے کھانے کھلاتا ہوں، بڑی بڑی ضیافتیں کرتا ہوں، مگر اس کے باوجود جب بھی جود وکرم کی مثال دی جاتی ہے تو ہمیشہ حاتم طائی ہی کا نام لیا جاتا ہے۔ میرا نام کبھی کسی نے نہیں لیا۔ میں اس علاقے میں اس لیے آیا ہوں کہ کیوں نہ میں اسے قتل کر دوں تاکہ وہ شہرت، عزت اور کرم کی مثالیں میری طرف منتقل ہو جائیں۔ حاتم نے کہا: وہ دور تمھیں ایک درخت نظر آ رہا ہے؟ اجنبی کہنے لگا: ہاں! اچھا تو پھر تم مغرب کے قریب وہاں آ جانا۔ حاتم طائی تمھیں اپنی چادر اوڑھے سوتا ہوا نظر آئے گا۔ شام کا وقت ہوا تو وہ اجنبی شخص اس درخت کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی ایک شخص درخت کے نیچے چادر اوڑھے سو رہا ہے۔ جب وہ اس کے قریب پہنچا تو سونے والے نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا۔ اجنبی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تو وہی شخص تھا جس سے اس کی صبح ملاقات ہوئی تھی۔ اجنبی زور سے چیخا: تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ میں تو حاتم کی تلاش میں تھا، میں تو اسے قتل کرنا چاہ رہا تھا۔ اب ذرا حاتم طائی کے صبر، اس کے حلم اور کرم کو ملاحظہ کیجیے۔ اس نے بڑے پیارے انداز میں اس سے کہا:

«وَقَدْ طَلَبْتَ رَأْسِي فَلَمْ أَبْخَلْ بِهِ عَلَيْكَ»

ساتھی! تم نے میرا سر مانگا تھا۔ اب یہ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں اس میں بخل سے کام لیتا، میں حاضر ہوں، میرا سر حاضر ہے۔ اجنبی شخص حیران و پریشان ہو کر رہ گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ صبح جس شخص سے ملا تھا، وہ حاتم ہی تھا۔ اس نے بے اختیار کہا:

«إِنَّكَ تَسْتَحِقُّ أَكْثَرَ مِنْ كُلِّ ثَنَاءٍ يَا حَاتِمُ»

''حاتم! جتنی تمہاری تعریفیں کی جاتی ہیں، تم اس سے کہیں زیادہ کے مستحق ہو۔''

قارئین کرام! میں بڑے لوگوں کے واقعات اور ان کی سوانح عمری پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو بڑے لوگ بنتے ہیں، ان میں بلاشبہ عام لوگوں سے کہیں زیادہ تواضع، قوت فیصلہ، کرم، جود وسخا، بردباری، ایثار اور قربانی کی خوبیاں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ بلاشبہ معاشرے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہوتے ہیں۔

حاتم طائی کے گھر کے کم و بیش دس بارہ کمرے ہوں گے۔ آپ گھر کے سامنے کھڑے ہوں تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مہمان قصر کے کس طرف بیٹھتے ہوں گے؟ کہاں خیمہ لگایا جاتا ہوگا؟ کس طرف جانوروں کے بیٹھنے اور باندھنے کی جگہ ہوگی۔ قصر کے ساتھ ہی کنواں بھی ہے جس میں آج بھی میٹھا پانی موجود ہے۔ مقامی حکام نے یہاں پانی کا کولر

نصب کر رکھا ہے اور باتھ روم بھی بنائے ہوئے ہیں۔ قصر کی پچھلی جانب ایک چار دیواری ہے جس کو پرانا سا گیٹ لگا ہوا ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ٹوٹ بھی چکا ہے۔ میں نے اسے دھکا دے کر کھولا تو سامنے زمین کے برابر چند قبریں نظر آئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک قبر حاتم طائی کی اور دوسری اس کی والدہ کی ہے۔ قبروں کی نشان دہی کے لیے چھوٹی چھوٹی اینٹیں رکھی ہوئی ہیں۔ حاتم کی قبر غیر معمولی لمبی ہے، اس کی لمبائی کوئی چار میٹر ہوگی۔ یہ بات قطعاً غلط ہے کہ اس کا قد چار میٹر لمبا ہوگا۔ قصر کے ساتھ ہی یہاں کی مقامی انتظامیہ نے سرکنڈوں سے عریش بنا رکھے ہیں۔ اس علاقے کی سیر کرنے والے یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔ ہم یہاں کوئی چالیس منٹ تک کھڑے حاتم طائی اور اس علاقے کے حوالے سے گفتگو کرتے رہے۔ جناب عارف چدھڑ صاحب کی معلومات ہم سب سے زیادہ تھیں۔ اہل بادیہ سے محبت ان کی گفتگو سے عیاں تھی۔ مجھ سے وہ بار بار کہہ رہے تھے: مجاہد صاحب! یہاں رات گزارنے کا بڑا مزا ہے۔ غالباً وہ چاندنی راتوں میں یہاں قیام کر چکے تھے۔

میں نے ان سے پوچھا: رات کو یہاں کا قیام کیسا ہے؟ کیا یہاں رات کو سانپ نہیں ہوتے؟ کہنے لگے: رات کے وقت آسمان کا منظر بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ یہ مزا آپ کو صحرا میں ہی آ سکتا ہے ۔ یہاں سانپ کہاں ہوتا ہے، اور اگر موجود بھی ہو تو وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔ حاتم طائی کے قصر کے ساتھ ہی برلب سڑک ایک بڑا خوبصورت باغ نظر آیا۔ عارف صاحب کا کہنا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ آپ بے دھڑک ان کے باغ میں جائیں سیر کریں۔ اگر کوئی پھل اس میں ہو تو خوشی سے کھائیں، کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔ یہاں آنے سے پہلے میری بڑی خواہش تھی کہ اگر کوئی حاتم طائی کے قبیلے کا آدمی مل جائے تو میں اس سے ضرور ملاقات کروں اور اس بات کا جائزہ لوں کہ کیا ابھی تک ان لوگوں میں وہی مکارم اخلاق پائے جاتے ہیں۔

بلاشبہ آج بھی اس قبیلے کے لوگ اپنی اعلیٰ روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مہمانوں کی عزت کرتے ہیں، ان کو کھانا کھلاتے ہیں اور امکانی حد تک ان کے کام آتے ہیں۔ جبلِ سمراء حائل شہر کے اندر واقع ہے۔ اگلے دن ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں مُوقَد واقع ہے جہاں برسوں آگ جلتی رہتی تھی۔ میں جس وقت اس پارک میں پہنچا تو برادرم عارف چدھڑ صاحب ہمیں پہاڑ کے اوپر تک لے گئے۔ سامنے جبل سمراء تھا جس پر وہ موقد ہم دیکھ رہے تھے جہاں حاتم طائی کے حکم سے آگ جلائی جاتی تھی۔ یہاں کھڑے ہو کر اندازہ ہوا کہ اس جگہ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ پہاڑ کے اوپر کھڑے ہوں تو چاروں طرف حد نگاہ تک میدان ہے یہ وہی شاہراہ ہے جو عراق سے مدینہ اور پھر مکہ تک جاتی تھی۔ دن کے وقت مسافر دور سے اس آگ کے دُھویں کو اور رات کے وقت اس کی روشنی کو دیکھ کر اپنی منزل کا تعین کرتے تھے۔ بلاشبہ اس پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر اندازہ ہوا کہ کئی میلوں سے اس آگ کو دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اندازہ کیا کہ اس پہاڑی تک لکڑی کو اٹھا کر لے جانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ آج کل اگرچہ راستہ بن چکا ہے، مگر پھر بھی وہاں اوپر جانے کے لیے کم سے کم پندرہ سے بیس منٹ تو ضرور درکار تھے اور اس کے لیے آدمی کا صحت مند ہونا نہایت ضروری تھا۔ میں قدرے فاصلے سے کھڑا اس موقد کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ اس میں لکڑیاں جلانے والوں کی ہمت اور لکڑیاں جلانے والوں کا حکم دینے والوں کی میزبانی اور ان کی سخاوت کو داد دیتا رہا۔

واللہ اعلم بالصواب کہ یہ کتنی مدتوں تک آگ جلتی رہی اور مسافروں کی رہنمائی کرتی رہی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے غلاموں کو اس آگ کے جلانے کی وجہ سے غلامی سے نجات ملی۔ کتنے گم کردہ راہ مسافروں نے اس آگ کی بدولت صحیح راستے کا تعین کیا اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے حاتم طائی کی میزبانی سے بھی فیض حاصل کیا۔

حاتم طائی کے واقعات بے شمار ہیں جو تاریخ کی مختلف کتابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ میں اس شاہراہ پر بھی کھڑے ہو کر کتنی دیر تک تصور ہی تصور میں اس اسلامی لشکر کو دیکھ رہا تھا جو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہاں آیا تھا اور اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ عدی بن حاتم طائی کا شام کی طرف بھاگنا، حاتم طائی کی بیٹی سفانہ کا گرفتار ہونا، اس کا مدینہ شریف پہنچنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو رہا کرنے کا حکم دینا اور عدی کا اسلام قبول کرنا۔ یہ سارے وہ واقعات ہیں جو ان شاء اللہ آئندہ کسی مضمون میں بیان کروں گا۔

حافظ عبدالسمیع



نیٹ ورک مارکیٹنگ، ٹی اینز (ٹائنز) انٹرنیشنل

حقیقت، طریقۂ واردات، نقصانات، معاشی قباحتیں اور شرعی حکم

ہم نہایت پُرفتن دور سے گزر رہے ہیں۔ حق و باطل، حلال وحرام کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے۔ دولت کمانے کی حرص و ہوس نے ہمیں اندھا کردیا ہے۔ دشمن نت نئے جال بن کر ہم پر وار کررہا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ دشمن کا ہر وار ہم پر کاری ضرب لگاتا جارہا ہے اور ہم غفلت وسستی کا شکار، دولت و پیسے کے پجاری، اندھا دھند دشمن کے جال میں پھنستے چلے جارہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جب انسان کو اس کی پروا نہیں رہے گی کہ اس نے جو حاصل کیا وہ حلال ہے یا حرام۔'' (صحيح البخاري: 2083)

آج کل تجارت کے نام پر ایسے کاروبار اور کمپنیاں متعارف ہورہی ہیں جن کا سسٹم اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی ناواقفیت کی وجہ سے ان کے طلسمی جال میں جکڑے جارہے ہیں۔

ذیل میں نیٹ ورک مارکیٹنگ/ٹی اینز Tines کمپنی کے متعلق چند گزارشات تحریر کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو لقمۂ حرام سے محفوظ رکھے اور رزقِ حلال وافر نصیب فرمائے، آمین!

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی تعریف

نیٹ ورک مارکیٹنگ جس کو ملٹی نیشنل لیول مارکیٹنگ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے آسانی کی خاطر جعل نما تجارت بھی کہا جاسکتا ہے، چونکہ اس میں کام کرنے والے مختلف سطح کے لوگ ہوتے ہیں، اوپر سے لے کر نیچے تک سیکڑوں سطحیں بنتی ہیں، اس لحاظ سے اس کو ''مختلف السطح'' تجارت بھی کہا جاسکتا ہے۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی ابتدا

اس کا طریقہ کار دوسری جنگ عظیم کے بعد ہاورڈ بزنس اسکول نے متعارف کروایا تھا، اب یہ دنیا کے 150 ممالک میں پھیل چکا ہے، مختلف کمپنیاں نیٹ ورک مارکیٹنگ کا طریقہ اختیار کرتی رہی ہیں، مثلاً: ''بزناس کمپنی''، ''گولڈ مائن انٹرنیشنل''، ''گولڈن پین انٹرنیشنل'' آج کل ٹی اینز کمپنی کا بڑا عروج اور چرچا ہے۔ یہ کمپنی 1992ء میں چائنہ سے شروع ہوئی، وہاں اس کا نام Tianshi ''آسمانوں میں اڑتا ہوا شیر'' ہے۔ 1995ء میں اس کی مارکیٹنگ شروع ہوئی، 1998ء میں امریکہ اور برطانیہ میں پھیلی۔ 2000ء میں افریقہ اور 2002ء میں پاکستان میں ٹی اینز Tiens کے نام سے شروع ہوئی۔





نیٹ ورک مارکیٹنگ کا طریقہ کار

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں مخصوص قواعد وضوابط کے تحت پہلے ایک ممبر بنایا جاتا ہے، پھر وہ آگے مزید ممبر بناتا ہے اور یوں سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ٹی اینز کمپنی کو جوائن کرنے کے لیے سب سے پہلے سترہ سو پچاس (1750) روپے رجسٹریشن فیس کے جمع کروانے ہوتے ہیں۔ جن میں 500 روپے 3 دن کی ٹریننگ فیس ہوتی ہے، 1250 روپے میں ایک بزنس کٹ، ڈی وی ڈی اور لائسنس دیا جاتا ہے اور اس لائسنس میں 7PV جمع کیا جاتا ہے، ٹی اینز میں 1PV+1Doller کا فارمولا ہے۔

جب کوئی شخص کمپنی جوائن کر لیتا ہے تو اسے تقریباً 40,000 ہزار کی مختلف ٹی اینز کمپنی کی پروڈکٹ خریدنی پڑتی ہیں چاہے ان کی ضرورت اسے ہو یا نہ ہو۔ اس خریداری کے بعد اس کا رینک تھری سٹار ہوجاتا ہے اور اسے 300PV حاصل کرنے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ شخص کمپنی کا ممبر بن جاتا ہے اور کمپنی کی طرف سے اسے آفر ہوتی ہے کہ آپ چار ممبر تیار کریں۔ اگر آپ کے نیچے کوئی تھری سٹار بن جاتا ہے تو 20 فیصد کمیشن آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ کے نیچے تین لوگ تھری سٹار بن جاتے ہیں تو آپ کا رینک 4 سٹار ہوجاتا ہے اور اس کے لیے 1500PV ضروری ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے نیچے تین لوگ 4 سٹار ہوجاتے ہیں تو آپ کا رینک 5 سٹار ہوجائے گا۔ اور اس کے 6000PV ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے نیچے تین لوگ 5 سٹار بن جاتے ہیں تو آپ کا رینک 6 سٹار ہوجاتا ہے اور اس کے 25,000 PV ہوتے ہیں۔ اسی طرح 7 سٹار پر 100000 PV اور 8 سٹار پر 400000 PV ہوتے ہیں اس کے بعد آپ براؤنز لائن، سلور لائن اور گولڈ لائن وغیرہ بن سکتے ہیں۔

ٹی اینز کمپنی کا طریقہ کاروبار

ٹی اینز کمپنی کا طریقہ کاروبار بنیادی طور پر کئی عقود (ٹرانزکشن) کا مجموعہ ہے، مثلاً: ایک اجارہ کا عقد، جس میں محنت اور خدمت انجام دینی ہوتی ہے۔ اور دوسرا بیع کا عقد جس میں کوئی اثاثہ دوسرے کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں ان دونوں چیزوں کو باہم اس طرح ملایا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت سے ہوتے ہیں، یعنی ایک کے بغیر دوسرا نہیں چل سکتا۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کے نقصانات

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں شرعی حوالے سے بھی قباحتیں ہیں اور معاشی حوالے سے بھی ماہرین معاشیات نے اس کے نقصانات تفصیل کے ساتھ بتلائے ہیں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ/ٹی اینز وغیرہ کا شرعی حکم

نیٹ ورک مارکیٹنگ میں درج ذیل خرابیاں ہیں، جن کی وجہ سے یہ ناجائز اور خلاف شرع ہے۔ خرید وفروخت سے متعلق اس قسم کے معاملات کے متعلق عرب علماء کے فتاویٰ جات اور تردیدات بھی موجود ہیں۔ سعودی عرب کی علماء کمیٹی کے علاوہ دیگر عرب ممالک، مثلاً: مصر، قطر اور سوڈان وغیرہ کے علماء نے بھی ٹی اینز اور نیٹ ورک مارکیٹ کی اس جیسی دیگر کمپنیز کے اس طرز کو حرام قرار دیا ہے۔

① اس میں ایک معاملے کو دوسرے کے ساتھ اس طرح شامل اور لازم کیا جاتا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکے، جبکہ ایسا کرنا بہت ساری صحیح روایات میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع کیا ہے۔ (جامع الترمذي:1231)

② اس میں قمار، یعنی جوئے اور سٹہ بازی کا عنصر بھی شامل ہے۔

وہ اس طرح کہ جو چیز اس میں اثاثے کے طور پر خرید وفروخت کے لیے رکھی جاتی ہے، اس کی قیمت عام قیمت سے زیادہ رکھی جاتی ہے اور جو ممبر بنتا ہے تو وہ اس کی وہی قیمت ادا کر رہا ہوتا ہے، اس حرص و لالچ میں کہ اسے آگے کمیشن پر رکھا جائے گا اور اس کو ممبر شپ مل جائے گی تو اس کے کمیشن ممبر بننے کے بعد جو اس کی کمائی اور محنت ہے، وہ یقینی نہیں ہے کہ اس کے نیچے ممبر بنیں گے یا نہیں۔ اگر بنیں گے تو کتنی تعداد میں؟ اس کو اس کے نتیجے میں کتنا فائدہ حاصل ہوگا؟ جبکہ پہلے سے اس نے جو لالچ اور حرص میں زیادہ قیمت ادا کی ہے وہ تو اس کی جیب سے چلی گئی ہے۔ اس طرح مال کو داؤ پر لگایا جارہا ہے۔

③ ٹی اینز کمپنی کی ممبر شپ حاصل کرنے کے بعد چار ممبر بنانے پڑتے ہیں جبکہ ٹی اینز کمپنی سے کمیشن حاصل کرنے کے لیے 2 ممبر بنانا شرط ہے۔ اگر کوئی بندہ 1 ممبر بنا دے ایک سے زیادہ ممبر نہ بنا سکے تو اسے اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملتا جو صریحاً ظلم ہونے کی بنا پر غیر شرعی ہے۔ مطلوبہ ممبر مہیا نہ کر سکنے کی صورت میں اس کی اصل رقم رجسٹریشن فیس بھی ڈوب جاتی ہے۔



ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ رقم نفع حاصل کرنے کے لیے داؤ پر لگائی گئی تھی جو صریحاً جوا ہے۔

④ کسی ممبر کے 5 سٹار بننے کے بعد کمپنی سے کمیشن کے حصول کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وہ ممبر خود ہر ماہ 50PV (تقریباً 5000) روپے کی کمپنی پروڈکٹ خریدے گا اور 6 سٹار بننے کے بعد 75PV (7500)، 7 سٹار بننے کے لیے 90PV (9000)، 8 سٹار بننے کے بعد 100PV (10000) کی کمپنی پروڈکٹ کی خریداری کرنی ضروری ہے۔ یہ شرط بھی باطل اور فاسد ہے۔

حدیث میں ہے: «نَهٰى رَسُولُ اللّٰه عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ» ''رسول اللہ ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔'' (المعجم الأوسط: 332/4)

لہٰذا کمیشن جاری رکھنے کے لیے فائیو سٹار سے اوپر کے رینک کے ممبران کے لیے ہر ماہ ہزاروں روپے کی اشیاء خریدنے کو لازم قرار دینا اس حدیث کی رو سے باطل ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق ٹی اینز کمپنی کا ایک ممبر حال ہی میں گولڈ لائن بنا ہے وہ ہر ماہ 17000 کی خریداری کرتا ہے۔

⑤ اس میں کچھ ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ بڑے اور صفِ اول کے ممبران کی کوئی ذاتی محنت شامل نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے کی محنت اور کمیشن میں حصے دار ہوتے ہیں۔

شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب آپ کسی مال اور منفعت کے حق دار بنتے ہیں تو اس کے پیچھے یا تو آپ کا مال لگا ہوا ہونا چاہیے، یا آپ نے اس کا رسک اور ضمان برداشت کیا ہو، یا یہ کہ اس کام کے پیچھے آپ کی کوئی محنت یا خدمت ہو۔ ٹی اینز کمپنی میں صف اول کے ممبران کو کس محنت و خدمت کی بدولت حق دار ٹھہرایا جا رہا ہے؟

⑥ سرمائے کی ایک مصنوعی گردش پیدا کی جاتی ہے، یعنی اس کے پیچھے جو اثاثہ رکھا جاتا ہے وہ عموماً عام استعمال کی چیز نہیں ہوتی۔ اگر وہ استعمال کی چیز ہوتی بھی ہے تو اس کی نارمل حالت میں اتنی طلب نہیں ہوتی، اس طرح سرمائے کو ایک مصنوعی گردش دی جاتی ہے۔

⑦ نیٹ ورک مارکیٹنگ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا ذریعہ بنتی ہے حالانکہ دولت معاشرے کے افراد کے لیے خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایک معتدل اور متوازن انداز میں معاشرے کے تمام طبقات اور افراد میں تقسیم ہونی چاہیے۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی معاشی قباحتیں

اس کی معاشی قباحت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی ریاست ''اوکلوہاما'' کی ایک عدالت نے 2001ء میں اس طرح کی کمپنی ''سکائیز'' کی سرگرمیاں روکیں، اس پر قانونی پابندیاں لگائیں اور اس کے اثاثے منجمد کیے۔ اس کیس کی پوری تفصیل ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی وفاقی تجارتی کمیشن کی ویب سائٹ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

اسی طرح جاپان اور چین نے 1998ء میں اس طرح کے تمام کاروباروں پر پابندی لگائی تھی۔ سکیورٹی ایکسچینج آف پاکستان جو ''ECP'' کے نام سے مشہور ہے، اس نے بھی دو مرتبہ 2004,2003 میں اس طرح کی سکیموں کی سخت حوصلہ شکنی کی تھی اور عوام الناس کو خبردار کیا تھا کہ وہ اس طرح کی اسکیموں سے الگ رہیں اور اپنا سرمایہ اور محنت ضائع نہ کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ وطن عزیز میں ان کمپنیوں کا کالا دھندا عروج پر ہے۔ اور اربابِ اقتدار ان کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہے۔ ماہرین معاشیات چپ سادھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے، آمین!

نیٹ ورک مارکیٹنگ ٹی اینز انٹرنیشنل سے وابستہ افراد سے التماس

ٹی اینز کمپنی سے وابستہ افراد سے التماس ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت اور سرمایہ ضائع نہ کریں، اسے کسی بامقصد کاروبار میں صرف کریں۔ جس سے آپ کا روزگار حلال، پاکیزہ اور یقینی ہو، اس کے ساتھ وطن عزیز کی معیشت بھی مضبوط و مستحکم ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ٹی اینز کمپنی بھی اپنے جیسی دیگر کمپنیوں کی طرح بہت جلد وطن عزیز سے اڑن چھو ہو جائے گی اور لاکھوں پاکستانیوں کی جمع پونجی لے اُڑے گی۔ اس لیے کہ جب اس طرح کی اسکیمیں اس حد تک پھیل جاتی ہیں، یعنی ان کا نیٹ ورک اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ عملاً اسے برقرار رکھنا مشکل ہو جائے تو ایسی کمپنیوں کے منتظمین انھیں ختم کر دیتے ہیں۔ جس کا سب سے زیادہ نقصان تکون شکل میں پھیلے ہوئے اس نظام کے سب سے نچلے درجے میں جڑے ہوئے لوگ اٹھائیں گے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے ایک سادہ سی مثال پیش خدمت ہے۔ ٹی اینز کمپنی نے پاکستان میں اپنے کام کا آغاز 2002ء سے کیا اور اس وقت 6 لاکھ پاکستانی اس کمپنی میں ہیں،

بقیہ: صفحہ نمبر 15 پر







بنگال اور بنگلہ دیش



محسن فارانی

مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے اور نئے ملک کے فوجی و سیاسی انقلابات کی چشم کشا داستان

بنگلہ دیش ایک نظر میں

نام: عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش
(گونو پروجاتنتری بانلا دیش)
دارالحکومت: ڈھاکہ
رقبہ: 1,47,570 مربع کلومیٹر
آبادی: 153,900,000 (مارچ 2013ء)
زبانیں: بنگالی، انگریزی، چکما، بہاری (اردو)
سرکاری زبان: بنگلہ (بنگالی)
یوم آزادی: 26 مارچ 1971ء
فی کس آمدنی: 2083 ڈالر
نظام حکومت: وحدانی پارلیمانی جمہوریہ
قانون ساز ادارہ: جاتیو سنگسد (عوامی پارلیمنٹ)
مذہب: اسلام، ہندومت، بدھ مت
سکہ: ٹاکا، 1 ڈالر=76.1 ٹاکا (متحدہ پاکستان میں بھی بنگالی عوام روپے کو ٹاکا ہی کہتے تھے۔)

بنگلہ دیش کا محل وقوع

بنگلہ دیش جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے شمال، مغرب اور مشرق، تین اطراف میں بھارت واقع ہے۔ جنوب میں خلیج بنگال ہے اور جنوب مشرق میں اس کی سرحد میانمار (برما) سے ملتی ہے۔ سلیگوری نامی تنگ پٹی اسے نیپال اور بھوٹان سے جُدا کرتی ہے۔ بھارتی صوبہ (مغربی) بنگال زبان اور جغرافیائی لحاظ سے وسیع تر بنگال کا ایک حصہ ہے جبکہ بنگلہ دیش سابق مشرقی بنگال (مشرقی پاکستان) پر مشتمل ہے۔

رقبے اور آبادی کا موازنہ

آبادی کے لحاظ سے بنگلہ دیش روس سے بڑا ہے جبکہ رقبے میں یہ وسطی ایشیائی ملک تاجکستان کے تقریباً برابر ہے۔ متحدہ پاکستان کا رقبہ تقریباً 3 لاکھ 65 ہزار مربع میل تھا جس میں مشرقی پاکستان کا رقبہ تقریباً 54 ہزار 9 سو مربع میل تھا۔ بنگلہ دیش رقبے میں ہمارے صوبہ سندھ (رقبہ ایک لاکھ 41 ہزار مربع کلومیٹر) سے کچھ ہی بڑا ہے۔

بنگلہ دیش کا جغرافیہ

بنگلہ دیش زیادہ تر ایک نشیبی میدان پر مشتمل ہے جس میں دریائے گنگا، برہم پُتر اور ان کی شاخیں مل کر ایک بہت بڑا زرخیز ڈیلٹا بناتی ہیں۔ بنگلہ دیش کے شمال مشرق میں سلہٹ کی پہاڑیاں





اور جنوب مشرق میں برما کی سرحد پر چاٹگام (چٹاگانگ) کی پہاڑیاں ہیں۔ جنوب مغرب میں سندر بن کا دلدلی جنگل ہے۔ ملک کے بیشتر علاقے سطح سمندر سے تقریباً 12 میٹر بلند ہیں۔ بنگلہ دیش کی بلند ترین چوٹی ساکاہا پھونگ (1052 میٹر بلند) چٹاگانگ کی پہاڑیوں میں ہے جبکہ جنوب مشرق میں کاکسز بازار کا 120 کلومیٹر طویل سیدھا ساحل دنیا میں منفرد ہے۔

بنگلہ دیش میں بارشیں بکثرت ہوتی ہیں اور اگست ستمبر اکتوبر میں دریاؤں میں اکثر سیلاب آتے ہیں جن سے اگرچہ تباہی ہوتی ہے مگر زرخیز مٹی کی تہہ بھی بچھ جاتی ہے جس میں پٹ سن اور چاول کی فصلیں خوب پھولتی پھلتی ہیں۔ سلہٹ کی پہاڑیاں چائے کے باغات کے لیے مشہور ہیں۔ گرمیوں میں بعض اوقات خلیج بنگال سے سمندری طوفان ''سائیکلون'' اٹھتے ہیں جو تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔

دریاؤں کی سرزمین

مغرب سے دریائے گنگا بنگلہ دیش میں داخل ہوتا ہے تو یہ پدما کہلانے لگتا ہے۔ شمال میں آسام سے دریائے برہم پتر بنگلہ دیش میں داخل ہوتا ہے تو شمال مغرب سے دریائے ٹِسٹا اس سے آملتا ہے۔ کچھ نیچے آکر برہم پتر دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے: ① برہم پتر ② جمونا۔ دریائے جمونا سیدھا جنوب کی طرف بہتا ہے تو شمال مغرب میں نیپال اور بھارت سے آنے والا دریائے اترائی اس میں آملتا ہے۔ آخرکار دریائے جمونا راجباڑی کے پاس دریائے پدما سے آملتا ہے جبکہ دریائے برہم پتر مشرق میں جمال پور اور ناصر آباد (میمن سنگھ) کی طرف سے بہتا ہوا دریائے میگھنا سے مل جاتا ہے۔ اس سے پہلے بھارتی صوبہ آسام سے آنے والا دریائے سرما دریائے کوشی یارا سے مل کر دریائے میگھنا بناتا ہے۔ برہم پتر کی ایک شاخ نرائن گنج کے پاس بوڑھی گنگا سے آملتی ہے جو کہ گنگا جمونا کا پُرانا دھارا ہے۔ بوڑھی گنگا کے شمال میں ملکی دارالحکومت ڈھاکہ واقع ہے۔ نرائن گنج سے آگے پدما، بوڑھی گنگا اور میگھنا کے سنگم سے وجود میں آنے والا دریا میگھنا ہی کہلاتا ہے جو جزیرہ بھولا کے مشرق میں خلیج بنگال میں جاگرتا ہے۔ دریائے گنگا (پدما) کی بعض شاخیں جنوب کو سندر بن میں سے گزر کر خلیج بنگال میں گرتی ہیں۔ بڑی شاخ کا نام مادھومتی ہے۔ اس طرح بنگلہ دیش میں دنیا کا سب سے بڑا ڈیلٹا وجود میں آیا ہے۔ زیریں میگھنا کے دھارے کی چوڑائی 12 کلومیٹر تک ہے جبکہ دریائے جمونا کی چوڑائی 18 کلومیٹر تک پہنچتی ہے۔ جنوب مشرق میں چٹاگانگ کی پہاڑیوں سے نکل کر دریائے کرنافلی چٹاگانگ کے پاس خلیج بنگال میں گرتا ہے۔

سُندر بن، ٹائیگر اور ہاتھی

بنگلہ دیش کے جنوب مغرب میں سُندر بن (خوبصورت جنگل) ہے جس میں ہاتھی، شیر (بنگال ٹائیگر) اور چیتے پائے جاتے ہیں۔ سندر بن دلدلی علاقہ ہے جس میں سے دریائے گنگا کی کئی شاخیں گزرتی ہیں۔ یہیں دریائی بندرگاہ کھلنا واقع ہے جو ملک کا تیسرا بڑا شہر ہے (آبادی 15 لاکھ)۔ کھلنا کی پیپر مل مشہور ہے۔ متحدہ پاکستان میں اِدھر بھی اخبارات کھلنا کے کاغذ ہی پر چھپتے تھے۔

بنگالی ہندو اور جداگانہ طرز انتخاب

آزادی کے وقت مشرقی بنگال کی آبادی میں تقریباً ایک چوتھائی ہندو تھے۔ وہ صنعت و تجارت، صحافت اور تعلیم کے شعبوں پر چھائے ہوئے تھے حتی کہ بعض تعلیمی اداروں میں اسلامیات کے اُستاد بھی ہندو تھے۔ 1954ء کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کو ہرا کر جگتو فرنٹ (متحدہ محاذ) برسرِ اقتدار آیا جسے ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی۔ مولوی فضل الحق، عطاء الرحمٰن اور ابوحسین سرکار یکے بعد دیگرے وزیراعلیٰ بنے۔ ملکی آئین 1956ء میں بنا تو اُس میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی برابر نمایندگی کا اہتمام کیا گیا جو دونوں بازوؤں میں وحدت کی علامت تھی۔ پاکستان جداگانہ طرزِ انتخاب کے اصول پر وجود میں آیا تھا مگر اپریل 1957ء میں حسین شہید سہروردی کی حکومت نے ملک میں مخلوط طرزِ انتخاب رائج کر دیا جو آگے چل کر پاکستان کی سلامتی کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ پاکستان کے ٹوٹنے کی ایک وجہ بنگالی زبان کا دیوناگری رسم الخط تھا جو انگریزوں نے عربی رسم الخط کی جگہ رائج کیا تھا۔ دیوناگری رسم الخط کی بنگالی میں چھپنے والے اخبارات و جرائد میں، جن میں کلکتے کے اخبارات اور رسالے بھی شامل تھے، پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے خلاف اس قدر زہریلا مواد چھپتا رہا کہ مشرق و مغرب میں دلوں کے فاصلے بڑھتے چلے گئے۔

ایوبی مارشل لاء اور صدارتی انتخاب

7 اکتوبر 1958ء کو صدر سکندر مرزا نے 1956ء



کا آئین کالعدم قرار دے دیا اور اس کے زیرِ ہدایت فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خاں نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ بیس دن بعد 27 اکتوبر کو جنرل ایوب نے گن پوائنٹ پر صدر سکندر مرزا سے استعفا لے کر خود صدارت سنبھال لی۔ ایوب خاں نے ملک میں بنیادی جمہوریتوں کا نرالا نظام نافذ کر کے عوام کو براہِ راست اپنے نمایندے چننے کے حق سے محروم کر دیا اور 1962ء میں ایک آمرانہ آئین مسلط کر دیا۔ جنوری 1965ء میں صدارتی انتخاب ہوا جس میں قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح ایوب خان کے مقابلے میں امیدوار تھیں مگر جنرل ایوب نے دباؤ اور دھاندلی سے انتخاب جیت لیا، تاہم مشرقی پاکستان کے زیادہ ووٹ فاطمہ جناح کے حق میں پڑے تھے۔

چھ نکات اور دوسرا مارشل لاء

1968-69ء میں جنرل ایوب کی آمرانہ حکومت کے خلاف پورے ملک میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ فروری 1969ء کی گول میز کانفرنس ناکام رہی تو مارچ میں صدر ایوب نے استعفا دے دیا اور جنرل یحییٰ خاں نے مارشل لاء لگا دیا۔ اس دوران میں عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکات کی بنیاد پر مشرقی پاکستان میں خاصی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ چھ نکات میں دفاع، امورِ خارجہ اور کرنسی کے سوا دیگر تمام امور صوبوں کے اختیار میں دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 1968ء میں مشرقی بنگال کی علیحدگی کی سازش پکڑی گئی جس کا مرکز بھارتی ریاست تریپورہ کا شہر اگرتلہ تھا۔ ایوب حکومت نے اگرتلہ سازش کیس میں شیخ مجیب کو بھی ملوث کر لیا تھا مگر گول میز کانفرنس (مارچ 1969ء) میں ان کی شرکت کے لیے انھیں رہا کرنا پڑا تھا۔

جماعت اسلامی کے جلسے میں عوامی لیگی غنڈہ گردی

جنرل یحییٰ نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کر کے ون مین ون ووٹ کے اصول پر عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا۔ انتخابی مہم کے آغاز میں جنوری 1970ء میں جماعت اسلامی نے ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں جلسہ رکھا تھا۔ میدان وقت سے بہت پہلے بھر گیا۔ مولانا مودودی جلسہ گاہ میں جا رہے تھے کہ راستے ہی میں عوامی لیگ کے غنڈوں نے روک لیا اور مولانا کی گاڑی پر ڈنڈوں سے حملہ کر دیا اور جلسہ گاہ کے سارے راستے مسدود کر دیے۔ دوسری طرف ایک بڑے گروہ نے جلسہ گاہ پر ڈنڈوں اور سریوں سے حملہ کر دیا۔ کرسیوں اور سٹیج کو توڑ دیا۔ اس حملے میں جماعت کے تین کارکن شہید کر دیے گئے اور ہزاروں افراد زخمی ہوئے۔ مولانا جلسہ گاہ نہ پہنچ سکے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے دفتر میں پریس کانفرنس میں مولانا نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے پوچھا کہ ''اگر یہی ایل ایف او (لیگل فریم ورک آرڈر) کا حشر ہونا ہے تو اس کے جاری کرنے کی ضرورت کیا تھی اور آج جو کچھ پلٹن میدان میں ہوا، حکومت نے اس کی روک تھام نہ کی تو ملک کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔''

اگلے ماہ فروری میں پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصراللہ خاں نے ڈھاکہ میں جلسہ کرنا چاہا تو اسے بھی عوامی لیگیوں نے تشدد اور غنڈہ گردی سے ناکام بنا دیا۔

مجیب کا مینڈیٹ اور بھٹو یحییٰ سازباز

سوا گیارہ ماہ کی انتخابی مہم کے دوران میں یحییٰ حکومت نے عوامی لیگ کے چھ نکات اور اس کے تشدد آمیز رویّوں پر کوئی پابندی نہ لگائی مگر جب انتخابات میں عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے عوام کا بھاری مینڈیٹ لے کر حکومت بنانے کی پوزیشن میں آ گئی تو اگرچہ یحییٰ خاں نے جنوری 1971ء میں ڈھاکہ جا کر شیخ مجیب سے ملاقات کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ ملک کے آیندہ وزیراعظم شیخ مجیب ہوں گے لیکن جب ذوالفقار علی بھٹو کی شیخ مجیب سے اقتدار کی سودا بازی ناکام رہی تو بھٹو نے جنرل یحییٰ سے سازباز کر کے بنگالیوں کی نمایندہ جماعت عوامی لیگ کو چیلنج کیا جو ملکی سلامتی کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوا۔

اجلاس ڈھاکہ کا ظالمانہ بائیکاٹ

ملک میں پہلے عام انتخابات 7 دسمبر 1970ء کو منعقد ہوئے تھے۔ مخلوط طرزِ انتخاب کے باعث مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کے تمام ووٹ عوامی لیگ کے حق میں پڑے، چنانچہ قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی 162 نشستوں میں سے 160 نشستیں عوامی لیگ نے جیت لیں جبکہ مغربی پاکستان کی 138 نشستوں میں سے 81 پیپلز پارٹی کو ملیں جن میں سے 63 پنجاب سے، 17 سندھ سے اور ایک سرحد سے تھی۔ جنوری 71ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات ناکام رہے تو انھوں نے لاڑکانہ میں جنرل یحییٰ کو بلا کر مجیب کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا۔ پھر مسٹر بھٹو نے اقبال پارک لاہور کے جلسے میں قومی اسمبلی کے اجلاسِ ڈھاکہ (3





مارچ، 1971ء) کا بائیکاٹ کردیا اور اعلان کیا کہ ''جو ڈھاکہ جائے گا، اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔'' اگلے روز (یکم مارچ 1971ء کو) جنرل یحییٰ نے قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کردیا۔ یہ غیر جمہوری اقدام مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا اہم سبب ٹھہرا۔

مجیب کی فریاد اور بھٹو کی سنگدلی

شیخ مجیب الرحمٰن کو جب پتہ چلا کہ اجلاسِ ڈھاکہ ملتوی کیا جارہا ہے تو اس نے گورنر مشرقی پاکستان ایڈمرل (ر) احسن سے کہا کہ خدا کے لیے اجلاس ملتوی نہ کرو۔ اگر ملتوی کرنا ہی ہے تو مجھے یحییٰ خاں سے نئی تاریخ لے دو تاکہ میں بنگالیوں کو کنٹرول میں رکھ سکوں۔ ایڈمرل احسن اور ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل صاحبزادہ یعقوب خاں اسلام آباد پہنچے اور جنرل یحییٰ کو مجیب کا پیغام دیا۔ جنرل یحییٰ نے بے اعتنائی سے کہا: ''بھٹو سے جاکر پوچھ لو۔'' گویا ملک کی قسمت کے فیصلے بلانوش صدر مملکت، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خاں نہیں بلکہ بدترین جاہ پرست مسٹر بھٹو کررہے تھے۔ دونوں 70 کلفٹن (کراچی) پہنچے اور بھٹو کو سمجھایا کہ اجلاس ڈھاکہ کے غیر معینہ التوا کی صورت میں مشرقی پاکستان میں عام بغاوت ہوجائے گی اور خونریزی ہوگی جسے فوج بھی کنٹرول نہیں کرسکے گی۔ صاحبزادہ یعقوب خاں نے ''ندائے ملت'' کے انٹرویو میں بتایا تھا کہ مسٹر بھٹو نے جواب دیا تھا: ''چند ہزار بونگلوں کے مرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' گویا سنگدل بھٹو کے نزدیک انسانی جانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی اور بنگالیوں کو وہ نفرت سے بونگلے کہہ رہے تھے۔

مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن

اجلاس ڈھاکہ کے التوا سے مشرقی پاکستان میں خونریز ہنگامے پھوٹ پڑے اور شیخ مجیب نے مارشل لاء اٹھانے اور اقتدار عوامی نمایندوں کے سپرد کرنے کا مطالبہ کردیا۔ 14 مارچ کو بھٹو کا بیان چھپا کہ ''ملک میں دو وزیراعظم ہوں گے۔'' انھی دنوں جنرل یحییٰ شیخ مجیب سے مذاکرات کے لیے ڈھاکہ گئے اور ان کے پیچھے بھٹو بھی پہنچ گئے۔ مگر فریقین کی ہٹ دھرمی کے باعث مذاکرات ناکام رہے۔ صدر یحییٰ نے مسئلے کے سیاسی حل کے سارے مواقع ضائع کردیے اور ان کے حکم پر وہاں 26 مارچ کو جنرل ٹکا خاں کی قیادت میں آرمی آپریشن شروع کردیا گیا۔ شیخ مجیب گرفتار کرکے مغربی پاکستان لائے گئے جبکہ عوامی لیگی ارکان اسمبلی فرار ہوکر کلکتہ پہنچ گئے۔ دریں اثنا ایسٹ بنگال رجمنٹ کے میجر ضیاء الرحمٰن نے چٹاگانگ ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کرکے بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کردیا۔ پھر پاک فوج کی آمد پر وہ فرار ہوکر بھارت چلے گئے، بعد میں وہ بنگلہ دیش کے آرمی چیف بنے۔

مجیب نگر حکومت اور مکتی باہنی کا قیام

اگرچہ 9 اپریل تک بظاہر پاک فوج نے بغاوت پر قابو پالیا تھا مگر اس دوران میں ہزاروں بنگالی سرحد پار چلے گئے۔ بھارتی حکومت نے ایک طرف کلکتہ (مجیب نگر) میں عوامی لیگی لیڈروں سید نذرالاسلام (صدر) اور تاج الدین (وزیراعظم) کی قیادت میں بنگلہ دیش کی عبوری حکومت قائم کردی، دوسری طرف بھگوڑے بنگالیوں اور بھارتی فوجیوں پر مشتمل گوریلا تنظیم ''مکتی باہنی'' کے نام سے منظم کی گئی۔ بھارتی فوجی افسروں کی نگرانی میں مکتی باہنی کے گوریلے مشرقی پاکستان میں داخل ہوکر چھاپہ مار کارروائیاں کرنے لگے۔ ان کے مقابلے میں پاک فوج نے محبِّ وطن بنگالیوں پر مشتمل تنظیمیں البدر اور الشمس منظم کیں۔ البدر میں اسلامی چھاترو شبر (اسلامی جمعیت طلبہ) کے کارکن شامل ہوئے۔

جنگ دسمبر اور سقوطِ ڈھاکہ

21 نومبر 1971ء کو بھارتی فوج نے بغیر اعلان کے مشرقی پاکستان پر تین اطراف سے حملہ کردیا اور بھارتی بحریہ نے سمندر میں ناکا بندی کردی۔ جنرل یحییٰ نے تاخیر سے 3 دسمبر کو اعلان جنگ کیا۔ پاک فوج کو ناسازگار حالات میں چار گنا بھارتی فوج اور مکتی باہنی کے ایک لاکھ گوریلوں کے خلاف یہ جنگ لڑنی پڑی۔ ادھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جنرل یحییٰ کے تعینات کردہ نئے وزیرخارجہ بھٹو نے پولینڈ کی جنگ بندی کی قرارداد ''پھاڑ'' کرنا کام بنادی۔ آخرکار 16 دسمبر 1971ء کو بھارتی فوج ڈھاکہ میں داخل ہوگئی اور پاک فوج کی مشرقی کمان کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خاں نیازی نے بھارتی سکھ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

پاکستان کے حامیوں پر وحشیانہ مظالم

سقوطِ ڈھاکہ سے مشرقی پاکستان میں 90 ہزار کے لگ بھگ پاکستانی بھارت کے قیدی بن گئے جن میں تقریباً 54 ہزار فوجی تھے۔ باقی پولیس اور دیگر



محکموں کے لوگ تھے۔ جنرل نیازی کے علاوہ ان میں میجر جنرل محمد حسین انصاری، میجر جنرل راؤ فرمان علی، میجر جنرل حکیم ارشد، میجر جنرل خادم حسین راجہ اور ریئر ایڈمرل محمد شریف بھی تھے۔ سقوطِ ڈھاکہ سے پہلے میجر جنرل رحیم جو زخمی تھے، ہیلی کاپٹر پر برما (میانمار) چلے گئے تھے۔ بنگلہ دیش میں پاکستان کے حامی بنگالیوں اور بہاریوں پر مکتی باہنی کے غنڈوں نے وحشیانہ مظالم ڈھائے جن میں ہندو بنگالی پیش پیش تھے۔ مولوی فرید احمد کو سخت اذیتیں دے کر شہید کیا گیا۔ فضل القادر چودھری جو متحدہ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سپیکر رہے تھے، ان کی وفات جیل میں ہوئی۔ پاکستان کی حامی تنظیموں البدر اور الشمس کے سینکڑوں کارکن شہید کردیے گئے۔

آزاد بنگلہ دیش کا قیام

بھارتی فوجی جارحیت کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آگیا تو بھارتی فوج نے وہاں خوب لُوٹ مار کی اور کارخانوں کی مشینری تک اکھاڑ لے گئے۔ 20 دسمبر 1971ء کو ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر اور سولین چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنے۔ جنوری 1972ء میں مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب کو رہا کر کے لندن بھیج دیا اور وہ دہلی کے راستے ڈھاکہ پہنچ گئے جہاں ان کا والہانہ استقبال ہوا۔ وہ آزاد بنگلہ دیش کے وزیراعظم بن گئے۔ اوائل 1975ء میں شیخ مجیب نے پارلیمانی نظام کے بجائے صدارتی نظام نافذ کردیا اور صدرِ مملکت بن کر آمرانہ اختیارات حاصل کرلیے۔

مجیب کا قتل اور 2 فوجی انقلابات

شیخ مجیب کی آمرانہ حکومت اور بھارت نوازی کے خلاف بنگلہ دیشی فوج کے افسروں نے میجر سید فاروق الرحمٰن کی قیادت میں بغاوت کردی اور مجیب الرحمٰن کو قتل کر کے مشتاق احمد خوندکر کو صدر بنادیا۔ نومبر 1975ء کے ردِانقلاب میں سرغنہ بریگیڈیئر خالد مشرف (بھارت نواز) مارا گیا اور آرمی چیف جنرل ضیاء الرحمٰن نے مارشل لاء لگا کر صدرِ مملکت کا منصب سنبھال لیا۔ 1979ء میں مارشل لاء کے خاتمے پر پارلیمانی انتخابات ہوئے اور سول حکومت بحال ہوئی مگر 30 مئی 1981ء کو چاٹگام میں صدر ضیاء الرحمٰن سازش کے تحت شہید کردیے گئے، سازش کا سرغنہ بھارت نواز میجر جنرل عبدالمنظور جوابی کارروائی میں مارا گیا اور آرمی چیف جنرل حسین محمد ارشاد برسرِ اقتدار آکر اگلے سال صدرِ مملکت بن گئے۔

دو بیگمات کی حکومتیں

1990ء میں حسین محمد ارشاد عوامی ہنگاموں کی تاب نہ لاکر مستعفی ہوگئے۔ عبوری حکومت نے 1991ء میں عام انتخابات کرائے جو بیگم خالدہ ضیاء (بیوہ ضیاء الرحمٰن شہید) کی جماعت نیشنلسٹ پارٹی نے جیت لیے۔ خالدہ ضیاء وزیراعظم بنیں اور آئینی ترمیم کے ذریعے ملک میں صدارتی نظام کے بجائے دوبارہ پارلیمانی نظام رائج کردیا گیا۔ 1996ء سے 2001ء تک عوامی لیگ کی رہنما اور شیخ مجیب کی بیٹی بیگم حسینہ واجد وزیراعظم رہیں۔ ان کے بعد ایک بار پھر بیگم خالدہ ضیاء جماعت اسلامی کی حمایت سے انتخابات جیت کر برسرِ اقتدار آگئیں۔ 2006-8ء میں فوج کی حمایت سے چیف جسٹس ایازالدین نے اقتدار کے مزے لیے اور پھر دسمبر 2008ء میں عام انتخابات ہوئے تو بیگم حسینہ واجد کامیاب رہیں۔ انھوں نے شیخ مجیب کے قاتلوں پر مقدمہ چلا کر کرنل (ر) سید فاروق الرحمٰن اور ان کے بعض ساتھیوں کو جنوری 2010ء میں سزائے موت دلائی۔ حسینہ واجد نے انتخابی قوانین میں تبدیلیوں سے 5 جنوری 2014ء کے انتخابات جیتنے کا بندوبست بھی کرلیا جن کا نیشنلسٹ پارٹی اور جماعت اسلامی نے بائیکاٹ کیا تھا۔

جماعت اسلامی کے رہنماؤں سے انتقام

وزیراعظم حسینہ واجد نے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے ایک خصوصی ٹریبونل بنایا جس نے 14-2013ء میں جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں پر 1971ء میں پاک فوج کی مدد اور شہریوں کے قتلِ عام میں حصہ لینے کے جھوٹے الزامات لگا کر امیر جماعت مطیع الرحمٰن نظامی اور ان کے 14 ساتھیوں کو موت کی سزائیں سنائیں۔ عبدالقادر مُلّا کو گزشتہ دسمبر میں سزائے موت دے دی گئی جبکہ 91 سالہ سابق امیر جماعت پروفیسر غلام اعظم کو 90 سال قید اور مفسّرِ قرآن مولانا دلاور حسین سعیدی کو عمر قید کی سزائیں سنائی گئیں۔ علاوہ ازیں نیشنلسٹ پارٹی کے لیڈروں کی دارو گیر کا سلسلہ بھی جاری ہے اور متحدہ پاکستان کے آخری سپیکر فضل القادر چودھری کے بیٹے صلاح الدین کو بھی سزائے موت سنائی گئی ہے۔

بنگلہ دیش کی زرعی پیداوار

زرعی پیداوار میں چاول، پٹ سن، چائے، گندم، گنا، آلو، تمباکو، السی، دالیں، روغنی بیج اور





گرم مسالے شامل ہیں۔ سلہٹ کی پہاڑی ڈھلانوں پر چائے کی فصل کاشت ہوتی ہے۔ پٹ سن کی پیداوار میں بنگلہ دیش دنیا میں سرفہرست ہے جبکہ چائے کی پیداوار میں بارھویں نمبر پر ہے۔ چٹاگانگ کے پہاڑی جنگلات سے عمارتی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔

معدنی اور صنعتی پیداوار

قدرتی گیس اور کوئلے کے علاوہ ملک میں 28 ملین بیرل خام تیل کے ذخائر ہیں۔ صنعتوں میں کپڑا بننے، پٹ سن، پارچات (گارمنٹس)، نیوز پرنٹ، سیمنٹ، کیمیکلز، کھاد، لائٹ انجینئرنگ اور چینی کے کارخانے شامل ہیں۔ چھانک (سلہٹ) سے قدرتی گیس حاصل ہوتی ہے۔ جزیرہ بھولا میں بھی قدرتی گیس کا ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔

بنگلہ دیش کے شہر

ڈھاکہ: یہ ملک کا دارالحکومت ہے اور دریائے بوڑھی گنگا کے کنارے واقع ہے۔ اس کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ یہ ریلوں اور سڑکوں کا سنگم ہے۔ ڈھاکہ تقریباً ایک ہزار سال پہلے آباد ہوا۔ یہاں ایک ہزار مسجدیں ہیں، اس لیے اسے مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ بیت المکرّم سب سے مشہور مسجد ہے۔ اس کے علاوہ مغل دور کا لال باغ قلعہ اور کارواں بازار مشہور جگہیں ہیں۔

چٹاگانگ: اسے بنگالی میں چاٹگام کہا جاتا ہے۔ یہ دریائے کرنافلی کے دہانے پر واقع بندرگاہ ہے۔ یہاں شاہ امانت پُل اور سرکٹ ہاؤس مشہور مقامات ہیں۔ اس کی آبادی 38 لاکھ سے زائد ہے۔

سلہٹ: اس کی آبادی تقریباً 5 لاکھ ہے۔ شاہ جلال یونیورسٹی اور عثمانی انٹرنیشنل ایئرپورٹ بہت مشہور ہیں۔

کھلنا: یہ ملک کا تیسرا بڑا شہر اور سب سے بڑی دریائی بندرگاہ ہے جو دریائے رُپشا اور دریائے بھیراب پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 14 لاکھ ہے۔ یہاں کی پیپر ملز مشہور ہے۔

بنگلہ دیش کے دیگر مشہور شہر راجشاہی، دیناج پور، رنگ پور، کومیلا، باریسال، پبنہ، جیسور، سید پور، برہمن باڑیا اور ناصر آباد (سابق میمن سنگھ) ہیں۔

بنگلہ دیش کا سرحدی شہر ہلی میجر محمد اکرم شہید (نشانِ حیدر) کی حملہ آور بھارتی فوج کے خلاف ان کی لازوال مزاحمت (دسمبر 1971ء) کے لیے مشہور ہے۔

جنوبی ایشیا کی سب سے گہری بندرگاہ

بنگلہ دیش حکومت نے سونادیا نامی جزیرے پر جنوبی ایشیا کی سب سے گہری بندرگاہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس پر 500 بلین ٹاکا لاگت آئے گی۔ مکمل ہونے پر اس سے بھارت، چین، بھوٹان اور نیپال بھی فائدہ اٹھائیں گے اور بنگلہ دیش میں تیار شدہ مال کی برآمد میں سہولت ملے گی۔

بنگلہ دیش کے کھانے

بریانی: بنگلہ دیش کے لوگ بریانی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ بریانی میں چھوٹا گوشت، بڑا گوشت، سبزیاں اور مچھلی ڈالی جاتی ہے۔

کالیا: اس بنگالی پکوان میں بہت سارا گوشت چٹنی کے ساتھ پکایا جاتا ہے جس میں مچھلی کے چھوٹے چھوٹے پیس ہوتے ہیں۔

مچھلی پلاؤ: یہ بنگالیوں کی سب سے مرغوب ڈش ہے۔ یہ چاولوں میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔

بنگلہ دیش کے کھیل

بنگلہ دیش کا قومی کھیل کبڈی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور گالف بڑے شوق سے کھیلی جاتی ہے۔

قومی درخت اور قومی پھل

آم بنگلہ دیش کا قومی درخت، کٹھل (جیک فروٹ) قومی پھل اور کنول (نیلوفر) قومی پھول ہے۔

بنگلہ دیش میں آئی ٹی یونیورسٹی

بنگلہ دیش حکومت نے غازی پور شہر میں ایک بین الاقوامی معیار کی آئی ٹی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ یہ انفارمیشن ٹیکنالوجی (IT) کی جدید ترین یونیورسٹی ہوگی۔ اسے دو تین سال میں مکمل کرلیا جائے گا اور اس کے قیام سے 63,800 لوگوں کو روزگار ملے گا۔

پاکستان کے بنگلہ دیش سے تعلقات

ابتدا میں پاکستان نے بنگلہ دیش کو آزاد ملک تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا تاہم جب کئی مسلمان اور مغربی ممالک نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا تو پاکستان نے بھی اسلامی سربراہی کانفرنس (فروری 1974ء) کے موقع پر بنگلہ دیش کو ایک آزاد ملک مان لیا اور دونوں ممالک میں تعلقات کا آغاز ہوگیا۔ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے بنگلہ دیش کو ایک ڈویژن فوج کی تیاری میں مدد دی، تاہم وہاں عوامی لیگی حکومت برسرِ اقتدار آنے سے دونوں ملکوں میں تعلقات زیادہ خوشگوار نہیں رہے۔

رحلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا



محمد عظیم حاصل پوری

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد وفات پا گئیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے 3 رمضان المبارک 11 ہجری بروز منگل کو وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس سال تھی۔ (سیر أعلام النبلاء: 122,121/2)

یہ نومبر کا مہینہ سن 632ء تھا۔ اسی مناسبت سے ہم اس ماہ نومبر میں سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

تعارف ونام ونسب

فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ۔ ان کا ایک نام بتول تھا۔ انھیں زہراء کا لقب اس لیے ملا کہ یہ خوش شکل تھیں۔ اور اپنے والد گرامی محمد ﷺ کی ہم شکل تھیں۔ مکہ میں آپ ﷺ کے منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت 35 سال تھی۔ (طبقات ابن سعد :22/8)

ان کی والدہ سیدہ خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا تھیں جنھیں زبان نبوت سے جنت کی بشارت ملی تھی۔ (صحيح البخاري: 3820)

فضائل ومناقب

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، چنانچہ آپ عشاء تک (نفل) نماز پڑھتے رہے، پھر جب فارغ ہو کر چلے تو میں بھی آپ کے پیچھے چلا، آپ نے میری آواز سن کر فرمایا: یہ کون ہے؟ حذیفہ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: «مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ» ''تجھے کیا ضرورت ہے؟ اللہ تجھے اور تیری والدہ کو بخش دے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''بے شک یہ فرشتہ اس رات سے قبل کبھی زمین پر نہیں آیا، اس نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ وہ مجھے سلام کرے اور مجھے خوشخبری دے کہ بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔'' (جامع الترمذي: 3781، والسلسلة الصحيحة: 796)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کی بیٹی کو شادی کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: «فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي» ''فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔'' (صحيح البخاري: 3714)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی عادات واطوار، آپ کے اٹھنے بیٹھنے کی پُروقار کیفیت اور سیرت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا، جب وہ نبی ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، پھر ان کو بوسہ دے کر اپنی جگہ بٹھاتے تھے اور جب نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتی تھیں۔ (جامع الترمذي: 3872 وسنده حسن)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی

ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کے پاس اکٹھی ہوئیں، ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی غائب نہ تھی۔ اتنے میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سی چال چلتے ہوئے آئیں، جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو خوش آمدید کہا اور فرمایا: «مَرْحَبًا بِابْنَتِي» ''میری بیٹی خوش آمدید!''

پھر انھیں اپنی دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھالیا اور رازدارانہ انداز میں کوئی بات کی تو وہ رو پڑیں، پھر دوبارہ رازدارانہ انداز میں بات کی تو وہ ہنس پڑیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو میں نے ان سے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے پہلے آپ سے کوئی بات کی تو آپ رونے لگیں، پھر تھوڑی دیر بعد دوسری بات کی تو ہنسنے لگیں۔ بیٹی! میرا آپ پر حق ہے، آپ مجھے بتائیں کہ آپ روئی اور ہنسی کیوں؟ انھوں نے جواب دیا: ''میں رسول اللہ ﷺ کے راز کو افشا نہیں کروں گی۔''

جب رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے تو میں نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے پھر کہا: ''بیٹی! میرا آپ پر حق ہے، مجھے اپنے رونے اور ہنسنے کی وجہ بتائیں۔'' انھوں نے کہا: ''ہاں! اب میں بتاتی ہوں۔ پہلے اباجان نے مجھے یہ بات بتائی کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ میرے پاس قرآن مجید کی دہرائی کے لیے آتے تھے لیکن اس مرتبہ دو دفعہ میرے پاس آئے ہیں، یہ میری وفات کے قرب کی علامت ہے۔ تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا، میں تمھارا بہترین پیش رَو ہوں۔ میں یہ سن کر رونے لگی۔ جب اباجان نے میری گھبراہٹ کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو خواتین عالم کی سردار ہوگی، یا یہ فرمایا کہ تو اس امت کی خواتین کی سردار ہوگی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔'' (صحیح البخاري: 3632، و صحیح مسلم: 2450)

شادی اور رفاقت علی المرتضیٰ

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ» ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروں۔'' (مجمع الزوائد للهيثمي: 15208)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے لیے رشتہ مانگا، اس موقع پر اپنی زرہ اور دیگر کچھ سامان بیچا جس سے چار سو اسّی (480) درہم حاصل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک تہائی رقم کی خوشبو خریدوں اور دو تہائی رقم کے کپڑے۔

(مجمع الزوائد: 15030)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نبی کریم ﷺ کی رہائش مبارک سے کچھ فاصلے پر تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو زیادہ دیر تک اپنے سے دور نہ رکھ سکے۔ آپ ﷺ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ ان کا گھر بدل کر انھیں اپنے پڑوس میں لے آئیں۔ آپ ﷺ کے پڑوس میں حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر تھے، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا گھر بدل کر اسے اپنے پڑوس میں لانا چاہتے ہیں، میرے گھر بنونجار کے گھروں میں سب سے زیادہ آپ کے قریب ہیں، میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ جو میرا مال قبول کرلیتے ہیں وہ مجھے زیادہ پیارا ہوتا ہے اس مال سے جسے آپ چھوڑ دیتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ نے سچ کہا، اللہ تجھے برکت سے نوازے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے پڑوس میں سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہائش مہیا کردی۔''

(صور من حياة الصحابيات، ص: 40)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد

آپ کے تین بیٹے تھے: حسن، حسین اور محسن رضی اللہ عنہم (محسن بچپن میں انتقال کر گئے تھے) اور دو بیٹیاں تھیں: زینب اور ام کلثوم۔

سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مختصر فضائل

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» ''حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

(جامع الترمذي: 3781)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ کے ساتھ

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ایک کندھے پر ایک اور دوسرے کندھے پر دوسرے تھے۔

''نبی کریم ﷺ کبھی ایک کو بوسہ دیتے اور کبھی دوسرے کو، اسی طرح چلتے ہوئے نبی کریم ﷺ ہمارے قریب آ گئے۔ ایک آدمی نے پوچھا: یارسول اللہ (ﷺ)! آپ ان دونوں سے بڑی محبت کرتے ہیں؟ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: جوان دونوں سے محبت کرتا ہے گویا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جوان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔'' (مسند أحمد: 9673)

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیّدین حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا: ''یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، تو بھی ان کو محبوب بنالے اور ہر اس شخص کو محبوب بنالے جو ان دونوں سے محبت کرے۔'' (جامع الترمذي: 3769)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ صبح کے وقت اس حال میں نکلے کہ آپ ﷺ اپنے اوپر ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ جس پر کجاووں یا ہانڈیوں کے نقش سیاہ بالوں سے بنے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں حسن رضی اللہ عنہ آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی اس چادر کے اندر کر لیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر کے اندر کر لیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں کر لیا، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں کر لیا، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کردے اے گھر والو! اور تمھیں خوب اچھی طرح پاک کردے۔''

(الأحزاب 33:33، صحيح مسلم: 2424)

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں میں کپڑے تقسیم کیے، ان میں ایسے کپڑے نہ تھے جو سیدین حسنین شریفین کے لائق ہوں، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن قاصد بھیجا وہاں سے کپڑے منگوائے گئے اور سیدین کو پہنائے گئے تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: «اَلْآنَ طَابَتْ نَفْسِي» ''اب میرا دل خوش ہوا ہے۔'' (سیر أعلام النبلاء: 4/351، و تاریخ دمشق: 14/177)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تقریر فرما رہے تھے کہ قبیلۂ ازد کا ایک گندم گوں طویل قد کا آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''میں نے نبیِ کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ اس سے بھی محبت کرے اور حاضرین ان تک یہ پیغام پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں اور اگر نبیِ کریم ﷺ نے تاکید کے ساتھ یہ بات نہ فرمائی ہوتی تو میں تم سے کبھی بیان نہ کرتا۔'' (مسند أحمد: 23106)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ» ''جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ حسین بن علی کو دیکھ لے۔'' (السلسلة الصحيحة: 4003)

یعلیٰ بن مرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «حُسَيْنٌ مِنِّي، وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ» ''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس سے محبت رکھتا ہے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔ حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 144) (اس حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس کے لیے ''آپ کے سوالات اور ان کا حل'' کے تحت صفحہ 30 پر ملاحظہ فرمائیں۔)

ابو رجاء عطاردی رحمہ اللہ (عمران بن ملحان تیمی بصری) فرمایا کرتے تھے: «لَاتَسُبُّوا عَلِيًّا وَلَا اَحَدًامِّنْ اَهْلِ الْبَيْتِ» ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت میں سے کسی کو بھی برا نہ کہو۔''

کیونکہ ہمارا ایک ہمسایہ ''بَلْهُجَيْم قبيلة'' کا آدمی تھا، اس نے کہا کیا (نعوذ باللہ) تم نے حسین بن علی فاسق کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے اس کو مارا ہے۔ ابو رجاء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر دو ستارے پھینکے اور اسے اندھا کر دیا۔ (مجمع الزوائد: 9/196، والمعجم الكبير للطبراني: 3/112 إسناده صحيح)

رحلت اور غسل

ہمارے معاشرے میں یہ بات مشہور ہے کہ عورت کی وفات کے بعد اس کا شوہر اس کو نہ چھو سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے کیوں کہ فوتگی کے ساتھ ہی ان کا باہم نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

بقیہ: صفحہ 60 پر

جمیل احمد اعوان

بھوکی چڑیا کی فریاد



اے رازقِ مطلق میں علی الصبح اپنے آشیانے سے نکلی اور اب عصر و مغرب کا درمیانی وقت ہے، میں یہ جا، وہ جا اڑتی پھری کہ پیٹ کی آگ بجھانے کو کچھ ملے مگر کہیں سے کچھ نہ پایا، آخر تھک ہار کر اس شاخِ شجر پر آبیٹھی ہوں اور تجھ سے فریاد کناں ہوں، بھوک سے میرا پیٹ پچکا ہوا ہے اور تو نے خود ہی فرمایا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ''ساری جاندار مخلوق کو روزی پہنچانا اللہ کے ذمے ہے۔'' (ھود 11:6) پس مجھے کھانے کو کچھ عطا کر۔ بھلا میں تیرے سوا کسے پکاروں؟

معزز قارئین!

بلدِ غیر (آسٹریلیا) میں جیوگرافی پروگرام میں میرے سامنے جنگل کا ایک منظر ہے جس میں مترجم پروگرام ایک بھوکی چڑیا کی طرف متوجہ کرتا ہے جسے اس انداز میں دکھایا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں موندے سمٹ کر درخت کی ایک ٹہنی پر بیٹھی ہوئی ہے جسے پروگرام میں ایک طویل وقت تک ادھر ادھر اڑانیں بھرتی، چلتی پھرتی، تلاشِ رزق میں سرگرداں اور عدم حصول کے بعد دکھایا جاتا ہے اور مسلم ملک کا وہ مسلمان مترجم بالیقین کہتا ہے کہ چڑیا (یقیناً) اب اپنے روزی رساں کو پکار رہی ہے۔ قرآن میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''زمین و آسمان کی ہر شے اسی کے در کی سوالی ہے، اسی سے مانگتی ہے۔'' (الرحمٰن 29:55) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ کی معرفت ایک حدیث میں سلیمان علیہ السلام کے دور کی ایک ننھی چیونٹی کا نقشہ حالتِ اضطراری میں خوب دکھایا ہے جو اس جنگلی ''بھوکی'' ''پیاسی'' چڑیا کی طرح اللہ رازقِ حقیقی سے فریاد کناں تھی۔

حدیث میں آتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے دور میں سخت قحط پڑا، بارشوں کا سلسلہ رک گیا، فصلیں خشک ہوگئیں، پیاس کی شدت سے مویشی اور دیگر جانور مرنے لگے تو سلیمان علیہ السلام نے قوم سے کہا: آؤ باہر جنگل میں جا کر اپنے اللہ سے بارش کی دعا کریں، چنانچہ قوم کو لے کر نکلے کہ راہ گزر پر ایک چیونٹی کو عجب انداز میں دیکھا جو اپنی ننھی ننھی ٹانگیں (دعا کے انداز میں) آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے یہ فریاد کر رہی تھی: اے اللہ! ہم تیری مخلوق ہیں، تو نے ہمیں پیدا کیا ہے (تو ہی روزی رساں ہے) ہم پیاس سے مر رہی ہیں ہمیں پانی عطا کر، چنانچہ دعا قبول ہوئی اور کھل کر بارش برسی۔ پھر کچھ عرصہ بعد کھیتیاں لہلہا اٹھیں اور ساری مخلوق میں زندگی کی رمق لوٹ آئی۔ سلیمان علیہ السلام جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے قوم سے کہنے لگے: بس لوٹ چلو کہ اللہ نے ایک چیونٹی کی دعا کے بدلے بارش عطا کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبة: 132/6)

توحید کی فطری معرفت

اس چیونٹی کو یقین تھا کہ اس کا حاجت روا و مشکل کشا آسمان میں ہے، زمین میں نہیں۔ افسوس! ہم عقل و ادراک رکھتے ہوئے بھی مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کو زمین میں تلاش کرتے ہیں اور آسمان والے سے دور ہو کر اس حال کو پہنچ گئے ہیں جس کا مشاہدہ ہم سب کر رہے ہیں۔ اس جنگلی چڑیا کے مانگنے کا انداز بھی بالکل چیونٹی کی طرح تھا۔ اس لیے یہ کوئی باعثِ حیرت بات نہیں، نہ دروغ گوئی، نہ کوئی انہونی بات ہے اور کوئی فرضی قصہ بھی نہیں کیونکہ اللہ نے ہر جاندار و بے جان، انس و جن، شجر و حجر، شمس و قمر، پہاڑ اور دیگر ساری مخلوق کو اپنی توحید کی معرفت جبلی (ودیعت شدہ) طور پر عطا کی

ہوئی ہے۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے ننھے قاصد ''ہُدہُد'' کا مکالمہ بھی قرآن میں پڑھیے:

سلیمان علیہ السلام نے اپنے قاصد ہُدہُد کو غائب پایا تو کچھ دنوں بعد وہ ایک طویل مسافت کے بعد حاضر ہوگیا اور آکر اپنے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو خبر دیتا ہے: ''میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر بادشاہی کرتی ہے۔ اس کو ہر شے میسر ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے اور میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں۔ شیطان نے ان کے (برے) اعمال ان کے لیے خوشنما بنادیے ہیں اور انھیں (صحیح) راستے سے روک دیا ہے، لہٰذا وہ راہ پر نہیں آتے۔'' (النمل 23,22:27) ہُدہُد کی اس بات نے سلیمان علیہ السلام کو اس کے خلاف جہاد پر ابھارا۔

پتہ چلا کہ جانور اور دیگر مخلوق بھی خالق حقیقی کی صحیح معرفت فطرتاً رکھتے ہیں۔ اس کا حق پہچانتے ہیں۔ اللہ چاہے تو ایسی معرفت خشک لکڑی اور پتھر میں رکھ دے جیسا کہ کھجور کے تنے کا فراقِ رسول میں گریہ اور ایک پتھر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔'' (صحيح البخاري:3584، وصحيح مسلم: 2277) اگرچہ ان دونوں کا تعلق پیغمبر علیہ السلام سے ہے مگر ان میں ''ضیائے معرفت'' کس نے رکھی؟ یقیناً اس رب وحدہٗ لاشریک نے رکھی۔

ہر شے کا تسبیح کرنا اور عقیدۂ رزق

قرآن و حدیث سے ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ اسی معرفتِ توحید کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: ''پہاڑ اور اڑتے پرندے داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح بیان کرتے۔'' (صٓ 19,18:38) ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''زمین و آسمان کی ہر شے خوشی یا ناخوشی اس کو سجدہ کرتے ہیں اور سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز ہیں۔'' (الرعد 12:13) پس ان سب جانداروں کی زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے پتھروں اور جنگل بیابانوں میں اللہ تعالیٰ نے درندوں، چرندوں، پرندوں اور حشرات الارض کو رزق پہنچانے کا بندوبست کر رکھا ہے جو ایک دوسرے کا شکار کرتے نظر آتے ہیں۔ جو جس کی فطری خوراک ہے وہ اسے مل رہی ہے جس کا پہنچانا انسان کے بس میں نہیں۔ اسی چیز کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے: ''کتنے ہی جاندار ہیں کہ وہ اپنی کمروں پر اپنی روزی لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازقِ مطلق ان کو اور تم کو روزی پہنچا رہا ہے۔'' (العنکبوت 60:29)

پس یہیں سے انسانی تصور میں ایسے مناظر آتے ہیں جن کا مشاہدہ ہم جیوگرافی میں اور عام حالات میں بھی کرتے ہیں۔ کئی جاندار ایسے ہیں کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرسکتے مگر رازقِ مطلق انھیں روزی پہنچا دیتا ہے۔ ایسے واقعات دیکھ کر ایمان میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہی مشاہدے ہمیں توحید کی طرف لاتے ہیں۔

چڑیا کی دعا سے رزق کی فراہمی

جیوگرافی پروگرام میں اگلا منظر یوں دکھایا جاتا ہے کہ وہ چڑیا اپنی دعا میں محو تھی۔ یکا یک ایک نیل گائے کو شکار کرنے کے لیے ایک شیر اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ دونوں سرپٹ دوڑتے ہوئے اس چڑیا کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ اس اچانک شور سے چڑیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ یہ سوچتی ہے کہ اس شکار میں اللہ نے ضرور میری روزی کا بندوبست کردیا ہے۔ چڑیا فوراً اڑی اور دونوں کے اوپر پرواز کرتی جارہی ہے۔ شیر جھپٹتا ہے اور نیل گائے کو ڈھیر کرلیتا ہے، پھر اس کے گوشت سے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا ہے۔ چڑیا اوپر منڈلا رہی ہے کہ شیر وہاں سے چل کر قریب ہی ایک ندی سے پانی پی کر وہیں کنارے پر اپنی تھکن دور کرنے کے لیے سو جاتا ہے مگر تھوڑا سا منہ کھلا رکھتا ہے۔ وہ بھوکی چڑیا اس کے منہ پر بیٹھ کر اس کے دانتوں میں پھنسے گوشت کے ریزے نکال نکال کر کھانے لگتی ہے۔ جب خوب سیر ہوگئی تو ادھر شام کے سرمئی ڈورے پھیلنے لگے۔ چڑیا وہاں سے اڑ کر اپنے آشیانے میں آبیٹھتی ہے اور اپنے رب کا خوب شکر ادا کرتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے دور کی چیونٹی کی طرح اس کی دعا بھی قبول ہوئی۔ چیونٹی نے اپنے حکمران و پیغمبر سلیمان علیہ السلام کا کوئی واسطہ یا وسیلہ نہ دیا تھا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہم اللہ تعالیٰ سے تو شکوے کرتے ہیں کہ وہ ہماری دعا قبول نہیں کرتا مگر ہم اپنا عقیدہ درست کرنا بھول جاتے ہیں۔ یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے اگر ہمارا عقیدہ درست نہ ہوا تو پھر وہ چیونٹی اور چڑیا ہی ہم سے بہتر ہیں کہ جنھوں نے صرف اللہ ہی کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا تسلیم کیا۔ اسی طرح کا توکل ہم سے بھی مطلوب ہے جیسا توکل پرندے کرتے ہیں۔ یہ توکل ایک مسلمان کا ہتھیار ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ''جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (تمام مشکلات سے) کافی ہوجاتا ہے۔'' (الطلاق 3:65)



دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ ستمبر کے درست جوابات

① حج 9 ہجری میں فرض ہوا۔

② ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران 97:3)

③ حرمت والے مہینے چار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

④ نمازوں میں تخفیف کا مشورہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

محمد سمیع (خانیوال) ڈاکٹر شبیر احمد (سکھر) شبیر حسین (سیالکوٹ) حامد علی، نورین مریم (فیصل آباد) مولانا عبدالسلام، ابوبکر خان (قصور) خلیل الرحمٰن بلوچ (لاہور) اعجاز حنیف (مظفرگڑھ) محمد ابراہیم (وزیرآباد)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① ''میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا ہے۔''

② کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے۔

③ نبی کریم ﷺ نے اپنی ننھی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے جماعت کرائی۔

④ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھ لے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر کوئی ایک آیت تحریر کریں؟

② نبی ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے کیا پیش گوئی فرمائی تھی؟

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر کوئی ایک حدیث لکھیں؟

④ ماہِ محرم میں کن کن بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟

بقیہ: رحلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

یہ ساری باتیں خودساختہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں اس طرح کا کوئی غلط تصور اور پابندی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام نے تو بیوی کی وفات پر سب سے زیادہ غسل دینے کا مستحق اس کے میاں، یعنی شوہر کو قرار ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: «أَحَقُّ النَّاسِ بِغُسْلِ الْمَرْأَةِ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهَا زَوْجُهَا» ''عورت کو غسل دینے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا لوگوں میں سب سے زیادہ مستحق اس کا شوہر ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق:6164)

نبی کریم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: «لَوْ مُتِّ قَبْلِي لَغَسَّلْتُكِ» ''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تمھیں غسل دوں گا۔'' (سنن ابن ماجة:1197)

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دیں، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں غسل دیا تھا۔ (سنن الدار قطني: 79/2، والبيهقي:396/3)

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غسل کی وصیت کی تھی کہ مجھے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ غسل دیں۔ (سنن الدار قطني:79/2)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں، یعنی آپ ﷺ کے اس دارِفانی سے کوچ کر جانے کے چھ ماہ بعد ماہِ رمضان میں چوبیس یا پچیس سال کی عمر میں 11ھ بروز منگل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے جاملیں۔ رضی اللہ عنها ورضيت عنه. (صحيح البخاري: 3093، والمستدرك للحاكم:162/3)



میاں بیوی

عائشہ صدیقہ

ایک دوسرے کا دل کیسے جیتیں.....؟

شادی ایک دوسرے کی ضمانت وکفالت اور ایک دوسرے کے لیے محبت اور تعاون کا ایسا ادارہ ہے جو میاں بیوی کی مشترکہ ملکیت ہے۔ خاوند کے بیوی پر سرپرست ہونے کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ وہ حکم چلانے والا ہو اور مشورہ لینے کا بھی روادار نہ ہو، روکنے والا ہو خود رکنے والا نہ ہو۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ ایک مالک وآقا کی سی زندگی گزارے۔ غلام اور آقا کے تعلق میں جو تصور ہے یہاں یہ نہیں ہے کہ بیوی تو اس کی خدمت کرتی رہے اور یہ اس کے حقوق کی ادائیگی سے آزاد ہو۔ یہ اس کے ساتھ ایک خادمہ یا لونڈی کا سا معاملہ نہیں رکھ سکتا۔ شرعی لحاظ سے ایک لونڈی کا جو مقام ہوتا ہے بیوی کا مقام اور اس کی شان اس سے کہیں زیادہ ہے، یہ اس کی بیوی، اس کی محبوبہ، اس کی دوست اور ساتھی ہے۔ جہاں اس کے ذمہ کچھ فرائض ہیں وہاں اس کے بہت سارے حقوق بھی ہیں۔

یاد رکھیے! اس رشتے اور تعلق میں حقوق و فرائض سے ہٹ کر ایک قدر زائد بھی ہے۔ حسن معاشرت اس قدرِ زائد کی متقاضی ہے۔

ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زندگی سے اس معاملے میں بہترین نمونہ ملتا ہے۔

خاوند کی خدمت بعض اہل علم کے ہاں واجب ہے اور بعض کے ہاں مندوب ومستحب۔ لیکن خاوند کا بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ پیش آنے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بیوی کے فرائض کی ادائیگی میں اس کے ساتھ تعاون کرے، خواہ فرائض میں گھریلو کام کاج شامل ہو یا نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی اس سلسلے میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اسود بن یزید سے مروی ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: «كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ خَرَجَ» ”آپ ﷺ گھر کے کام کاج میں مشغول ہوتے، جونہی اذان سنتے نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔“ (صحيح البخاري: 5363)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عجز وانکسار کا پیکر اور مجسم رحمت تھے۔ آپ اپنے پہلو کو ازواج مطہرات کے لیے نرم کیے رکھتے، خود ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے اور ان کے لیے خیر وبھلائی کے خواہاں ہوتے۔

اس طرح نہیں جس طرح آج کل کے خاوند بیویوں کے معاملے میں انتہائی سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ قدرت کے باوجود ان کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہیں ہوتے، حالانکہ بعض اوقات بیوی خاوند کے دست تعاون کی سخت محتاج ہوتی ہے، مثلاً: وہ بیمار ہے یا گھر کے ڈھیروں کام ہیں پھر بچوں کو سنبھالنے کی مصروفیات ہیں۔ اس سب سے نپٹنا اس اکیلی کے بس کا روگ نہیں ہے۔

لہٰذا اے شوہر نامدار! آپ اپنی بیوی کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں عمدہ مثال پیش کریں۔ یاد رکھیں! اس طرح آپ اس کے دل کے مالک بن جائیں گے اور وہ آپ کے لیے بہترین بیوی ثابت ہوگی اور آپ کے ساتھ اس طرح پیش آئے گی جس طرح آپ پسند کریں گے۔ اسی بارے میں یہ مقولہ ہے: «فَكُنْ لَهَا عَبْداً تَكُنْ لَكَ أَمَةً» ”تو اس کے لیے غلام بن جا وہ تیرے لیے لونڈی بن جائے گی۔“



محسن فارانی

لندن سازش
اور دھرنوں کی غیر اسلامی سیاست

وطنِ عزیز گزشتہ اڑھائی تین ماہ سے دھرنا سیاست کے عذاب میں بُری طرح مبتلا ہے جس کے دو بڑے کردار عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ اسلام آباد میں دھرنوں کی شروعات 14 اگست 2014ء کو لاہور سے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے الگ الگ نکلنے والے لانگ مارچوں کے ذریعے سے ہوئیں جن کی قیادت بالترتیب عمران خان اور طاہر القادری کررہے تھے۔ دھرنوں کا جواز نام نہاد انتخابی دھاندلیوں کے خلاف احتجاج اور سانحۂ ماڈل ٹاؤن (17 جون 2014ء) کے ذمہ داران کو سزا دلوانا بتایا گیا تھا۔ لیکن اسلام آباد پہنچتے پہنچتے مطالبات وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور وزیراعلیٰ محمد شہباز شریف کے استعفوں پر مرتکز ہوگئے۔ دعویٰ کیا گیا کہ نواز شریف چند گھنٹوں میں مستعفی ہوجائیں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان دھرنوں کے ہدف کا تعین باقاعدہ منصوبہ بندی سے کیا گیا ہے، چنانچہ ''نئی بات'' کی ایک خبر کے مطابق عمران خان کی لاہور سے روانگی سے پہلے جنرل پاشا دبئی سے آکر شفقت محمود ایم این اے کے ہاں عمران خان سے ملے تھے جبکہ آئی ایس آئی سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ دبئی میں ایک امریکی خفیہ ایجنسی کے لیے کام کررہے ہیں۔

یہ دھرنے پاکستان کے خلاف ایک عالمی سازش کا حصہ ہیں جس کا تانا بانا چند ماہ پہلے لندن میں بُنا گیا تھا۔ اس میں ہمارے بعض ریٹائرڈ فوجی افسران بھی شامل تھے، تاہم آرمی چیف جنرل راحیل شریف منتخب حکومت کے پشت پناہ بنے رہے اور عمران خان اور طاہر القادری جن عناصر پر تکیہ کیے ہوئے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آسکے۔ عمران خان اور طاہرالقادری استعفوں کے مطالبات بالائے طاق رکھ کر اب جلسہ سیاست کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ طاہر القادری جو کل تک پورے نظام کو تلپٹ کرڈالنے اور ملزموں کو اپنے ہاتھوں پھانسیاں دینے کے اعلانات کررہے تھے، انھوں نے اب انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کردیا ہے۔

تاریخ اسلام میں حسن بن صباح پہلا شخص

تھا جس نے اپنے پیروکاروں کی برین واشنگ سے ان میں جنون بھر دیا تھا۔ اب پاکستان میں ڈاکٹر طاہرالقادری نے حسن بن صباح کے نقشِ قدم پر چل کر پاکستان عوامی تحریک تشکیل دی ہے۔ انھوں نے خوابوں اور بشارتوں کے ذریعے سے اپنے پیروکاروں میں اپنا نقش جمایا ہے۔ وہ تقریر کے فن میں طاق ہیں اور اپنے معتقدین کو سحرِ خطابت میں جکڑ لیتے ہیں اور پھر ان کے پیروکار ہر وہ کام کرنے پر تل جاتے ہیں جس کا وہ انھیں حکم دیں۔ اسلام آباد میں ڈی چوک کا دھرنا، پارلیمنٹ ہاؤس پر یلغار اور پی ٹی وی پر حملہ ان کے اسی خطیبانہ جوہر کا شاخسانہ ہیں۔ طاہرالقادری کو یہ فائدہ بھی حاصل ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کا بڑا حصہ جو نوازشریف دشمنی کے آزار میں مبتلا ہے، بڑھ چڑھ کر ان کا ساتھ دے رہا ہے۔ طاہرالقادری کل تک نوازشریف کے استعفے کو انقلاب کا نقطۂ آغاز قرار دیتے تھے، آج وہ اپنے پیروکاروں کو جلسوں میں یقین دلا رہے ہیں کہ انقلاب آ گیا ہے اور اندھے پیروکار مان رہے ہیں کہ ہاں انقلاب آ گیا ہے۔

علامہ طاہرالقادری نے منہاج یونیورسٹی اور منہاج سکولوں کا جو نیٹ ورک قائم کیا ہے وہاں دی جانے والی تعلیم کا محور بھی علامہ صاحب کی اپنی ذات ہے۔ ان اداروں کے طلبہ کی برین واشنگ کا ایک تجربہ راقم کو اٹھارہ انیس برس پہلے ہوا تھا۔ میں گاؤں گیا ہوا تھا، فتح پور (لیّہ) سے لاہور کی بس میں سوار ہوا تو ساتھ کی نشست پر منہاج کالج لاہور کا ایک طالبعلم بیٹھا تھا۔ میں ان دنوں اُردو ڈائجسٹ میں نائب مدیر تھا۔ میں نے اُسے اردو ڈائجسٹ کا تازہ شمارہ پڑھنے کو دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ ہم اپنے پاس علامہ صاحب کی تصانیف اور منہاج القرآن کے لٹریچر کے سوا کوئی چیز نہیں رکھ سکتے، اس سلسلے میں ہم پر سخت پابندی ہے۔ گزشتہ ماہ نوائے وقت میں میاں جلیل احمد شرقپوری نے ایک مضمون میں انکشاف کیا کہ طاہرالقادری جب لاء کالج میں پڑھاتے تھے ان دنوں بھی حسن بن صباح کی انقلابی تحریک اور ماؤزے تنگ اور ہٹلر و سٹالن کی باتیں کیا کرتے تھے۔ گویا شروع ہی سے ان کے ذہن میں جنونی پیروکاروں کی دہشت خیز یلغار سے انقلاب برپا کرنے کا نقشہ بنا ہوا تھا۔

آج طاہرالقادری انتہائی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ انھوں نے کبھی کسی سے ایک پیسہ تک نہیں لیا، حالانکہ انھوں نے شریف فیملی کے ذریعے سے جو غیرمعمولی مالی مفادات حاصل کیے وہ ساری دنیا پر عیاں ہیں۔ جب مرکز میں پہلی بےنظیر حکومت قائم ہوئی تو ٹی وی پر بدستور جلوہ افروز ہونے کے شوق نے انھیں شریف فیملی سے ناتا توڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ محترمہ کی خوشنودی کے لیے شریف برادران کی مخالفت میں انتہا تک چلے گئے اور ان پر اپنی کوٹھی پر فائرنگ کروانے کا الزام لگا دیا جو عدالت عالیہ میں غلط ثابت ہوا اور جج صاحب نے فیصلے میں ان کے متعلق ''جھوٹا، جاہ پرست اور شہرت کا بھوکا'' ہونے کے ریمارکس دیے۔ جب عدالت میں طاہرالقادری کے پیدائشی شہر جھنگ کی بعض ناگفتنی باتیں سامنے آئیں تو طاہرالقادری عدالتی کارروائی کا بائیکاٹ کر کے چلے آئے تھے۔

جب نواز شریف پہلی بار وزیراعظم بنے تو طاہرالقادری نے شاہراہِ قائدِاعظم لاہور پر کفن پوش جلوس نکالنے کا ڈرامہ بھی رچایا۔ ان کے شیخ طاہر علاؤالدین نواب قلات میر احمد یار خاں کے داماد تھے اور کوئٹہ میں مقیم تھے۔ ان کے دو بیٹے اپنی نانی سے ملنے قلات گئے۔ وہاں ایک پرانی رولز رائس گاڑی کھڑی تھی جو کبھی وائسرائے نے نواب صاحب کو دی تھی۔ نانی نے نواسوں سے کہا کہ یہ گاڑی کوئٹہ لے جاؤ، وہاں اس کے تمھیں اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے۔ سید طاہر علاؤالدین کے صاحبزادے رولز رائس کوئٹہ لے آئے اور ایک شوروم پر فروخت کے لیے کھڑی کر دی۔ ان کا بڑا ماموں میرداؤد تو ماں کی بات پر خاموش رہا مگر چھوٹا جو کراچی میں کسٹم میں اعلیٰ افسر تھا، قلات آیا تو رولز رائس غائب پائی۔ پتہ چلا کہ ان کے بھانجے کوئٹہ لے گئے ہیں تو وہ بھاگم بھاگ رات کو کوئٹہ پہنچا اور بھانجوں کو خاموشی سے باہر بلا کر گاڑی کا پوچھا۔ پھر انھیں ساتھ لیے شوروم پر پہنچا، گاڑی ٹرک پر لادی اور بھانجوں کے ہمراہ قلات آ پہنچا۔ صبح ہوئی تو شور مچ گیا کہ صاحبزادے اغوا کر لیے گئے۔ یہ خبر لاہور طاہرالقادری تک پہنچی تو انھوں نے فوراً بیان داغا کہ ''شہنشاہِ بغداد کے شہزادے اغوا کر لیے گئے۔'' چونکہ بلوچستان میں مسلم لیگ (ن) کے طارق مگسی وزیراعلیٰ تھے، لہٰذا طاہرالقادری نے وزیراعظم نوازشریف پر الزام دھر دیا کہ انھوں نے شہزادے اغوا کرائے ہیں۔ طاہرالقادری نے اس پر پھرتی سے کفن



پوش جلوس نکال ڈالا، پھر اگلے روز صاحبزادے اپنے ننھیال سے بخیریت کوئٹہ پہنچ گئے تو طاہرالقادری کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

طاہرالقادری نے جولائی 1983ء میں ایک خواب کی بات اڑائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بشارت دی ہے کہ ان کی عمر آپ ﷺ کی عمر کے برابر 63 سال ہوگی۔ نبی ﷺ کی عمر مبارک ہجری تقویم سے 63 اور شمسی تقویم سے 61 سال تھی۔ یوں فروری 1951ء کے پیدائشی طاہرالقادری کی عمر فروری 2012ء میں 61 سال پوری ہوچکی مگر وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اس سے ان کا جھوٹ ظاہر ہوگیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے ایک اور جھوٹا خواب سنا کر اپنی مذہبی رنگ جمانے کی کوشش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں ان سے کہا کہ میں پاکستان کے مولویوں سے تنگ ہوں، لہٰذا یہاں سے جارہا ہوں۔ طاہرالقادری نے نبی ﷺ کی منتیں کیں کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ یہاں سے نہ جائیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر رہنا قبول کیا کہ ''طاہر، تم پاکستان میں میرے سفیر بن جاؤ۔'' ایسے ہی جھوٹے خواب سنا کر طاہرالقادری نے فرانس، برطانیہ اور کینیڈا تک اپنا حلقۂ اثر پیدا کیا ہے۔ حضرت پاکستان میں انقلاب لانے اور نظام بدلنے کے داعی ہیں مگر کینیڈا کی شہرت چھوڑنے کو تیار نہیں جس کے لیے انھوں نے ملکہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف اٹھا رکھا ہے اور ملکہ کی خاطر وہ ہتھیار اٹھانے کے بھی پابند ہیں۔ اسی پس منظر میں جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا کی پشت پناہی سے طاہرالقادری اور عمران خان کی لندن سازش کے مطابق انقلاب مارچ، آزادی مارچ اور دھرنوں کے ذریعے نواز حکومت کا تختہ الٹنے کی جارحانہ مہم کا ذکر کیا ہے جسے جنرل راحیل شریف نے ناکام بنادیا اور اب دونوں نام نہاد انقلابی دھرنوں سے جلسوں کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

عمران خان اور طاہرالقادری کے پاس فوج کی مداخلت کے ذریعے سے میاں نواز شریف کو حریم اقتدار سے باہر کرنے کے سوا ان سے استعفا لینے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ دونوں دھرنائی تمام تر کوششوں اور میڈیا کی اندھی حمایت اور پبلسٹی کے باوجود 40,35 ہزار سے زیادہ افراد اسلام آباد میں جمع نہ کرسکے جبکہ لاہور میں عمران خان نے ایک لاکھ موٹر سائیکل سواروں کے شریک جلوس ہونے کی بڑ ہانکی تھی اور دھرنے میں دس بیس لاکھ مظاہرین کی شرکت کی بات بھی کی گئی تھی لیکن شرکاء کی تعداد مایوس کن حد تک ہزاروں میں رہی۔ اس کے باوجود عمران خان ''امپائر'' کی انگلی اٹھنے کے اعلانات کرتے رہے جو اٹھنی تھی نہ اٹھی۔

31 اگست کی شب جب عمران خان نے طاہرالقادری سے پخت و پز کے مطابق پارلیمنٹ اور پرائم منسٹر ہاؤس پر ہلّا بولنے کا تہیہ کرلیا اور عمران خان تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی کی پُرزور مخالفت کے باوجود فیتے والوں کی پشت پناہی کے اشارے دیتے رہے تو جاوید ہاشمی نے ہنگامی پریس کانفرنس میں پاکستان کے خلاف اس گھناؤنی سازش کے تاروپو بکھیر دیے۔ اس کے بعد پوری پارلیمنٹ میاں نواز شریف کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور سازشیوں کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

دھرنوں کی اس شرمناک سازش کے ڈانڈے امریکی صلیبی جنگ میں پاکستان کے وسائل کو جھونکنے اور 2007ء میں اعلیٰ عدلیہ کے محترم ججوں کو ایمرجنسی پلس کے ذریعے نظربند کرکے آئین شکنی کا ارتکاب کرنے والے جنرل پرویز مشرف پر چلنے والے مقدمۂ غداری سے بھی ملتے ہیں، چنانچہ معروف تجزیہ نگار ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ ''جنگ'' 13 اکتوبر 2014ء میں لکھتے ہیں: ''آج مجھے احتجاجی دھرنوں سے قبل فروری 2014ء میں سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری سے اسلام آباد ایئرپورٹ کے لاؤنج میں ہونے والی وہ ملاقات یاد آرہی ہے جس میں احمد رضا قصوری نے بتایا تھا کہ عید سے قبل ٹیکنوکریٹس پر مشتمل قومی حکومت بننے والی ہے اور احتجاجی دھرنوں کے ذریعے حکومت پر دباؤ بڑھانے کے لیے ڈاکٹر طاہرالقادری جون میں پاکستان آرہے ہیں جن کی تحریک میں عمران خان بھی ان کا ساتھ دے سکتے ہیں۔'' نومبر 2013ء میں عمران خان نے معروف تجزیہ نگار حامد میر سے بھی مارچ 2014ء میں حکومت کے خلاف لانگ مارچ کی بات کی تھی۔

دھرنوں کے دوران میں جنرل (ر) پرویز مشرف، جو کراچی کے گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہیں، دھرنائیوں کے حق میں بیان تو دیتے رہے ہیں مگر عدالتوں میں پیش ہونے سے عاری ہیں۔ دھرنوں کا یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے کہ ان کا مقدمۂ غداری اب پس منظر میں چلا گیا ہے۔

جہاں تک اسٹیبلشمنٹ کی نگرانی میں بننے



والی ٹیکنوکریٹس حکومت کی دھرنائی سازش کا تعلق ہے، عمران خان نے نام نہاد آزادی مارچ پر اسلام آباد روانہ ہونے سے پہلے بھی جاوید ہاشمی سے یہی بات کہی تھی جس پر جاوید ہاشمی ناراض ہوکر ملتان چلے گئے تھے اور عمران خان کو انھیں منانے کے لیے وفد بھیجنا پڑا تھا اور اپنے بیان کی تردید کرنی پڑی تھی۔ عمران خان کی بعض جرنیلوں سے پخت وپز کا انکشاف جاوید ہاشمی نے اُردو ڈائجسٹ (اکتوبر 2014ء) میں شائع شدہ انٹرویو میں بھی کیا ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ ''تحریک انصاف میں شرکت (دسمبر 2011ء) کے بعد جب میں تحریک انصاف کے جلسۂ کراچی میں پہنچا تو عمران خان کی گاڑی میں بیٹھتے ہی یہ جان کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ عمران خان اپنے سیکرٹری سے کبھی کہتے جنرل پاشا سے فون ملاؤ اور کبھی جنرل کیانی سے فون ملانے کو کہتے۔''

وہیں جاوید ہاشمی نے عمران خان سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر آپ تحریک انصاف کے منشور کے خلاف چلیں گے تو میں آپ کا بھی باغی ہوں گا۔ جاوید ہاشمی کے تازہ انکشافات کے مطابق جنرل (ر) پاشا نے کہا تھا کہ وہ چودھری نثار، خواجہ آصف اور نواز شریف کو نہیں چھوڑیں گے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان کے دشمنوں کی یہ سازش ناکام ہوگئی ہے۔

سابق آرمی چیف اسلم بیگ جو ایک محبِّ وطن اور محبِّ اسلام عسکری دانشور ہیں وہ اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں: ''پی ٹی آئی اور پاکستان عوامی تحریک کے دھرنے امریکہ کی زیرقیادت عالمی سازش کا حصہ ہیں جس میں کینیڈا، برطانیہ اور ایران بھی شامل ہیں۔ جنرل صاحب کے بقول دھرنوں کا مقصد پاکستان میں انتشار پھیلا کر فوج کو اقتدار پر قبضے پر مجبور کرنا اور پاکستان کو لبرل اسلام کے ذریعے سیکولر ریاست بنانا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ پرویز مشرف کے سابق ساتھی اور ان کے گروپ کے بعض ریٹائرڈ فوجی افسر بھی اس سازش میں عمران خان اور قادری صاحب کے ساتھ شریک تھے لیکن جنرل راحیل شریف نے فوج کو سیاست سے دور رکھ کر اس سازش کو ناکام بنادیا۔ جنرل اسلم بیگ نے بتایا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری کے دورۂ ایران کا اہتمام ہمارے ہی لوگوں نے کیا جو انھیں قم لے کر گئے۔ اس کے بعد وحدت المسلمین کے لیڈروں کا طاہرالقادری کے دوش بدوش کھڑے ہونا خالی ازعلت نہیں۔

عمران خان کے پُرزور حامی فوج کے مزاج شناس کالم نگار ہارون الرشید صاحب نے بھی اس سازش کا نہ صرف دلائل کے ساتھ تذکرہ کیا بلکہ یہ بھی لکھا کہ 1971ء کے بعد یہ پاکستان کے خلاف پہلی بڑی سازش تھی۔ اس سلسلے میں سینئر صحافی سلیم صافی نے بعض حقائق کی طرف ایک کالم میں اشارہ کیا ہے جن سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ''کس طرح قادری صاحب شعوری اور شاید عمران خان صاحب غیرشعوری طور پر صرف اقتدار کی خواہش میں اس سازش کے اہم کردار بن گئے ہیں۔''

* عراق پر قبضے کے بعد 2003ء میں امریکی صدر جارج بش نے جہاد اسلام کے مقابلے میں لبرل اسلام کو فروغ دینے کے لیے مسلم ورلڈ آؤٹ ریچ (Muslim World Outreach) یعنی ''امریکہ سے باہر عالم اسلام تک رسائی'' کا پروگرام شروع کیا۔ اس کے لیے ایک اعشاریہ تین ارب ڈالر مختص کیے۔ اس پروگرام کے تحت جن ممالک پر خصوصی توجہ دینی تھی، ان میں پاکستان سرفہرست تھا۔ 2003ء میں یہ پروگرام شروع ہوا اور 2004ء میں علامہ ڈاکٹر طاہرالقادری نے اچانک اور پراسرار طور پر قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفاء دے کر عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی، حالانکہ 1989ء میں سیاست کے آغاز کے بعد وہ پہلی مرتبہ قومی اسمبلی میں پہنچے تھے۔ مسلم ورلڈ آؤٹ ریچ پروگرام کے تحت امریکہ نے نئے تعلیمی ادارے اور مدرسے کھولنے تھے اور ڈاکٹر قادری نے اس پروگرام سے پورا پورا استفادہ کیا اور اگلے تین سال میں منہاج القرآن کے تحت پنجاب میں سینکڑوں تعلیمی ادارے قائم کیے گئے جبکہ وہ خود کینیڈا میں مقیم ہوگئے۔

* برطانیہ میں مقیم فتنہ پرداز یونس الگوہر جس کی خانہ کعبہ اور پاکستانی سیاسی رہنماؤں کے بارے میں خرافات کی ویڈیو یوٹیوب پر دیکھی جاسکتی ہے، اس کی طرف سے ڈاکٹر طاہرالقادری اور عمران خان کی حمایت کے اعلان اور پی ٹی آئی کے دھرنے میں ڈیڑھ دوہزار ان کے پیروکاروں اور بینرز کی موجودگی حیران کن اور پریشان کن ہے۔

* کچھ عرصہ قبل عمران خان اور طاہرالقادری کو ایک ساتھ ڈیووس (سوئٹزرلینڈ) میں منعقدہ ورلڈ اکنامک فورم میں ایک ساتھ بلایا گیا اور پھر دھرنوں کی منصوبہ بندی کے لیے لندن میں



ان کی خفیہ ملاقات کرائی گئی (جس کو خان صاحب نے اپنی کور کمیٹی سے بھی چھپائے رکھا) پھر جب طاہرالقادری نے اسلام آباد کے دھرنے میں انکشاف کردیا تو عمران کو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔

* امریکیوں کو پاکستان اور افغانستان میں جو صوفی کانفرنسز منعقد کرنا تھیں، افغانستان میں اس کا انتظام رنگین دادفر سپانتا جبکہ پاکستان میں اسے شاہ محمود قریشی کو سونپا گیا۔ سابق امریکی وزیرخارجہ ہیلری کلنٹن سے شاہ محمود قریشی کی قربت اور امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں اپنے بیٹے زین قریشی کو تربیت دلوانے کے عمل کو پیش نظر رکھا جائے تو کڑیاں مزید مل جاتی ہیں۔

* امریکہ نے پہلی بار پاکستان میں لبرل اور صوفی اسلام کو فروغ دینے کے عمل کا آغاز جنرل پرویز مشرف کی سرکردگی میں کیا تھا۔ تب سے اب تک صوفی کانگریس کے سرپرست چودھری شجاعت حسین ہیں۔ اب یہ عجیب تقسیم نظر آتی ہے کہ ڈاکٹر قادری صاحب کے ایک طرف یہی چودھری شجاعت حسین، دوسری طرف پرویز مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری نظر آتے ہیں۔ پرویز مشرف کے دور کے ریٹائرڈ افسران کو بھی بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دونوں کیمپوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ کورٹ مارشل ہونے والے گنڈاپور یا پھر ائرمارشل (ر) شاہد لطیف جیسے طاہرالقادری کے ساتھ لگادیے گئے ہیں جبکہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل پاشا، بریگیڈئر (ر) اعجاز شاہ اور بریگیڈئر (ر) اسلم گھمن جیسے لوگ عمران خان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے وزیر خاص شیخ رشید احمد کو عمران خان صاحب اپنا ملازم رکھنے پر بھی راضی نہ تھے لیکن آج نہ صرف وہ ان کے مشیر خاص بن گئے ہیں بلکہ تحریک انصاف کے اسٹیج پر عمران خان کے پہلو میں کھڑے ہوتے ہیں۔

* وہ لبرل اور سیکولر اینکرز اور دانشور جو پچھلے برسوں میں عمران خان کو طالبان خان کہتے تھے اور جن کی شامیں عموماً مغربی سفارتخانوں میں مشروب مغرب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گزرتی ہیں، اس وقت نہ صرف عمران خان کے حق میں بھرپور مہم چلا رہے ہیں بلکہ مدرسے اور منبر سے اٹھنے والے علامہ ڈاکٹر طاہرالقادری کو مسیحا کے طور پر پیش کررہے ہیں۔ خودنمائی کے مرض میں مبتلا اور اپنی ذات اور سیاست کے لیے بھرپور طریقے سے اسلام کے نام کو استعمال کرنے والے طاہرالقادری ان کے پیارے بن گئے ہیں۔ عمران خان کی طرف سے ڈرون حملوں کی مخالفت اور طالبان کی حمایت اچانک اور مکمل طور پر ترک کردینے اور لبرل اینکرز اور دانشوروں کی طرف سے اچانک ان کے حامی بن جانے کے بعد شاید اس بات کو سمجھنے میں دقت نہیں ہونی چاہیے کہ ڈوریں مغرب سے ہل رہی ہیں۔

* ہم جانتے ہیں کہ ایم کیو ایم ایک لمبے عرصے تک عمران خان کی نشانہ نمبر ون تھی۔ انھوں نے اپنی جماعت کی خاتون لیڈر زہرہ شاہ کے قتل کا الزام الطاف حسین پر لگایا۔ ان کے خلاف وہ برطانیہ کی عدالتوں تک بھی گئے۔ سوال یہ ہے کہ ایم کیو ایم اور تحریک انصاف کی صلح اس وقت کس نے اور کیوں کرائی۔

عمران خان اور طاہرالقادری نے دھرنوں، جلسوں اور لانگ مارچوں میں بے پردہ نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو آگے لاکر ملکی سیاست میں ایک نیا عنصر متعارف کرایا ہے اور یہ مغرب کے اس اسلام دشمن ایجنڈے کا حصہ ہے جس کا مقصد اسلامی معاشروں میں مردوزن کے اختلاط اور نسوانی بے پردگی کو فروغ دینا ہے تاکہ وہ حدود اور اقدار کمزور پڑجائیں جنھیں اسلام نے معاشرے کی اخلاقی مضبوطی اور اصلاح کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ بالخصوص عمران خان کے جلسوں اور دھرنے میں نیم عریاں لباس پہنے لڑکیاں موسیقی کی لے پر تھرک رہی ہوتی ہیں۔ اُن کے جلسوں میں فیشن ایبل لڑکیاں اور جوان عورتیں بکثرت شریک ہوتی ہیں تو ان کے دیدار کے لیے منچلے نوجوان اور لوفر لڑکے بھی لپکے چلے آتے ہیں بلکہ اب ہر جلسے میں لڑکیوں سے دراز دستی اور چھیڑ چھاڑ کی خبریں سُننے میں آتی ہیں۔ لاہور اور ملتان کے جلسوں میں یہی کچھ ہوا۔ قاسم باغ ملتان میں لڑکیوں کی چیخ وپکار پر پولیس حرکت میں آئی تو ایک اے ایس آئی کو خنجر مار کر زخمی کردیا گیا۔ عمران خان عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی شرکت کو اپنے جلسوں کی کامیابی اور اپنی مقبولیت کی دلیل بتاتے ہیں لیکن 95 فیصد مسلم گھرانوں کی لڑکیاں اور عورتیں تو بے پردگی اور بے حیائی کے اس ماحول میں نہیں آتیں۔ یہ چند فیصد دینی اقدار سے بے بہرہ اور مادر پدر آزاد گھرانوں کی لڑکیاں ہوتی ہیں اور جن سے دراز دستی ہوتی



تنویر جمشید (ٹی جے)

حدیث دیگراں

ہے، آیندہ کے لیے وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہیں۔ ڈاکٹر اجمل نیازی نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ عمران خان کے جلسوں میں نوجوان زیادہ تر لڑکیوں کا دیدار کرنے آتے ہیں۔ یہ صورتِ حال انتہائی مذموم ہے۔

جہاں تک ڈاکٹر طاہرالقادری کا تعلق ہے، انھوں نے عورتوں اور لڑکیوں کو ڈھال کے طور پر آگے رکھا ہوا ہے۔ طاہر القادری کی پوری تحریک حسن بن صباح اور اس کے فدائیوں کی طرز پر کام کررہی ہے۔ حسن بن صباح نے اپنے جھوٹے خوابوں اور زورِ خطابت کی بنا پر ہزاروں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ وہ قلعہ الموت (شمالی ایران) میں ایک ریاست قائم کرکے اپنے فدائیوں کو بھنگ پلاکر مصنوعی فردوس بریں میں حسین لڑکیوں سے ہم آغوش ہونے کے مواقع فراہم کرتا، پھر عیش وعشرت کے ماحول سے نکال کر انھیں حکم دیتا کہ فلاں شہر میں فلاں عالم یا فلاں امیر میری مخالفت کرتا ہے، اسے قتل کر آؤ تو دوبارہ اس جنت میں جاسکو گے۔ یوں وہ فدائی اپنی جان پر کھیل کر بھی حسن بن صباح کے بتائے ہوئے ہدف تک جا پہنچتا اور اس کی جان لینے کی کوشش کرتا۔ ان ملحد فدائیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے اکابر اور علماء میں نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطنت سلجوقیہ، عباسی خلفاء مسترشد باللہ اور راشد باللہ اور فاتح ہند سلطان شہاب الدین غوری بھی شامل تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ہندوستان کے تیسرے سلطان شمس الدین التمش ان ملعونوں کے قاتلانہ حملوں میں بال بال بچے تھے۔

موجودہ صورتِ حال کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ علم و دانش آج بے علم کے ہاتھوں میں ہے اور اندھے چراغ لے کے چل رہے ہیں تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ یہ تلخ حقیقت صرف وہی حساس دل رکھنے والا محسوس کرسکتا ہے جس نے اس مملکتِ عظیم کے حصول کے لیے عظیم ترین جانی و مالی قربانی دی ہو اور اپنی آرزو کا مرکز صرف اور صرف پاکستان کو بنایا۔ وہ انبوہِ کثیر اور جم غفیر کیا سمجھے گا، جس نے صبح اٹھ کر خود کو پاکستان میں پایا۔ قوم تو پہلے ہی انتشار کا شکار ہے، جو دینی احکامات کو چھوڑ کر اپنی زبان بھی بھولتی جارہی ہے، تو ایسے میں قومی یک جہتی کہاں سے آئے، کون لائے؟ قائداعظم کو بنگالی قومیت پر کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن ایک جہاں دیدہ اور دورس رہنما کی حیثیت سے وہ اس حقیقت سے واقف ہوگئے تھے کہ زبان کا

مسئلہ آگے چل کر ملک وقوم میں کتنا بگاڑ پیدا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شدید بیماری کے باوجود کراچی سے ڈھاکا پہنچ کر، یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کے دوران دوٹوک الفاظ میں ان پر واضح کردیا کہ ''آپ کے حقوق پورے ادا کیے جائیں گے، انھیں کوئی سلب نہیں کرسکتا، مگر جہاں تک زبان کا تعلق ہے، پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔'' بابائے قوم کے اس واضح اعلان پر بنگالی تو خاموش ہوگئے، مگر مغربی پاکستان کے قوم پرست، اردو سے اپنی نفرت کا اظہار مختلف انداز میں گاہے گاہے کرتے رہے، جو آج بھی جاری ہے۔ قومی زبان کی اہمیت کم کرنے کے لیے پہلا وار نصابِ تعلیم پر کیا گیا اور ایک ایسا تعلیمی نصاب مرتب کیا گیا، جس نے نہ صرف قومیت کو جنم دیا بلکہ طبقاتی تقسیم بھی بڑھائی۔ آج بدقسمتی سے ہمارا نصابِ تعلیم واضح طور پر طبقاتی اور نوآبادیاتی طرز کا ہے، جس میں انگریزی اور اردو کے فرق سے دو ایسے طبقات پیدا کردیے گئے ہیں کہ انگریزی تعلیم کے حامل طلبہ کا نصیب حکمرانی اور افسری، جبکہ قومی زبان میں تعلیم پانے والے طلبہ کا مقدر غلامی اور ماتحتی بنادیا گیا ہے۔

1979ء کی بات ہے، اقوام متحدہ کے ذیلی تعلیمی ادارے، یونیسکو کے تحت ماہرین تعلیم کا ایک خصوصی جائزہ وفد پاکستان آیا۔ وفد کے برطانوی اور جاپانی ارکان نے اپنی رپورٹ میں اس حوالے سے سخت حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر طلبہ کو زبردستی ان کی مادری زبان کی بجائے کسی اور زبان میں تعلیم دی جائے، تو شاید کوئی بھی ماہر تعلیم ایسا نہ کرسکے۔ کیونکہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہی یہی ہے کہ بچے کو اس کی مادری زبان کے بجائے کسی غیر مانوس زبان میں تعلیم دی جائے۔ ہمیں حیرت ہے کہ پاکستان میں غیر منطقی انداز میں تعلیم دی جارہی ہے۔ اور خدشہ ہے کہ اس دہری تعلیم کا نتیجہ ایک دن قومی انتشار کی صورت میں نکلے گا جو مزید بڑھ کر خلفشار میں تبدیل ہوکر ملک کو بتدریج عدم استحکام سے دوچار کردے گا۔'' غیر ملکی ماہرین تعلیم کی پیش گوئی اگلے چند برسوں ہی میں حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ ملک، مختلف لسانی اکائی اور گروہی سیاست میں بٹ کر ایسے خلفشار اور انتشار سے دوچار ہوا کہ آج ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود اس کے استحکام پر سوالیہ نشان لگا ہوا ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اقوام متحدہ کے ان ماہرین تعلیم کی سفارشات کی روشنی میں جنرل ضیاء الحق کی اس وقت کی فوجی حکومت نے اردو کو ذریعہ تعلیم اور قومی زبان بنانے کی نیم دلانہ کوشش بھی کی۔ تمام سرکاری دفاتر اور اداروں میں نفاذِ اردو کے شعبے قائم کیے گئے، مباحثے اور تقاریر شروع کی گئیں۔ راقم الحروف کو بھی ایک ایسی ہی سرکاری تقریب میں جانے کا اتفاق ہوا جو اردو کے فروغ اور نفاذ کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔ تقریب کے مہمان خصوصی نے جو ایک اعلیٰ وفاقی افسر اور نفاذِ اردو کے شعبے کے نگراں بھی تھے۔ اپنے کلیدی خطاب سے مجھ سمیت تمام سامعین کو حیران اور ششدر کردیا۔ موصوف نے فرمایا ''لیڈیز اینڈ جنٹلمین! ایز یو نو، اردو ہماری مدر ٹنگ ہے اور نیشنل لینگویج بھی، ہم سوسائٹی میں اس کو جتنا امپوز اور ڈیولپ کریں گے، پاکستان اور نیشنل ازم کو اتنا ہی سالیڈیریٹی ملے گی۔ ہمیں آج کی اپنی اس گیدرنگ میں یہ اوتھ لینا چاہیے کہ نہ صرف آفس بلکہ اپنی فیملیز میں بھی اردو کو ڈیلی یوز کریں گے۔ تاہ ایز سون ایز پوسیبل پاکستان کی بیس اسٹرانگ ہوسکے اور ہم وہ گول اچیو کرسکیں، جو فادر آف نیشن، قائداعظم کی لاسٹ ہوپ تھی۔''

انتہائی افسوسناک امر تو یہ ہے کہ بابائے قوم کی آخری امید، یعنی ہمارے برقی ذرائع ابلاغ، صبح سے شام تک گردشِ ایام کے تھکنے تک جو نشریات پیش کرتے ہیں، اور اس کے لیے جن نابغہ روزگار ہستیوں کو منتخب کیا جاتا ہے وہ قومی زبان کے ساتھ وہی سلوک کررہے ہیں جو اعلیٰ وفاقی افسر نے نفاذِ اردو کی تقریب میں کیا تھا۔ اپنی گفتگو اور بات چیت میں آٹے میں نمک کے برابر اردو استعمال کرکے ابلاغ کے یہ شاہکار، جس تبدیلی کا اعلان کررہے ہیں، اس نے نہ صرف قوم، بلکہ اس کے مزاج کو بھی خاموش انقلاب میں بدل دیا ہے۔ اس کے بعد مولانا قادری اور عمران خان کے انقلابی اور آزادی دھرنوں کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا، لہٰذا علامہ صاحب اور کپتان واپس چلے آئیے، تبدیلی آچکی ہے۔









یمن میں مجوسیوں کا ناسور

ابوضرار ملک

مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ وہ عوام کو ان کے بنیادی حقوق دینے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ عوام کی محرومیوں کے ازالے کا نعرہ لگا کر مسند اقتدار تک پہنچتے ہیں اور پھر حسب معمول ہر وعدہ وعید بھول جاتے ہیں جس سے مسلم معاشروں میں ناانصافی، لاقانونیت، غربت، مسلکی اختلافات، لسانیت اور علاقائی عصبیت جیسی ابلیسی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اس سے عوام شدید کرب و ذہنی انتشار کا شکار ہوجاتے ہیں جس کے ردعمل میں وطن دشمن مسلح ملیشیا جنم لیتے ہیں۔ انھی معاشروں میں ناگ کی طرح کنڈلی مارے صہیونی واستعماری عناصر موقع سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو باہم لڑاتے ہیں۔ پھر پوری دنیا میں صہیونیت زدہ میڈیا کے ذریعے اسلام اور اس کے ماننے والوں کو دہشت گرد بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ سازشی عناصر تقریباً ہر مسلم ملک میں ڈینگی مچھروں کی طرح بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں دول افریقہ اور عرب ریاستیں استعماری طاقتوں کے خاص نشانے پر ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال انتہائی پرامن لوگوں کی جائے سکونت ''یمن'' ہے جو اس وقت ایران کی ریشہ دوانیوں کا خاص شکار ہے۔ 1990ء کی خلیج کی جنگ کے دوران جب یمن کی عاقبت نااندیش قیادت کی وجہ سے بیروزگاری بڑھنے لگی تو اس صورت حال کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران نے یمن کے شمالی سرحدی علاقے میں شیعہ اکثریتی صوبے ''صعدہ'' کے حوثی قبیلے کو غیر قانونی وغیر اخلاقی طور پر مسلح کرکے حقوق کے نام پر یمنی حکومت اور مقامی اہل سنت قبائل سے لڑوا دیا۔ اور اب تک حوثی یمن کی مختلف حکومتوں کے خلاف سات مرتبہ غیر شرعی خروج کر چکے ہیں۔ لیکن مملکتِ اسلامیہ العربیہ السعودیہ کی بیدار مغز قیادت اور چوکسی کے سبب ایران کو ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔

حوثی اور ان کے عزائم

یمن کے حوثی باغی اہلِ تشیع کے زیدی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو شیعوں میں نسبتاً ایک معتدل فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سربراہ علامہ بدرالدین حوثی جب حصول تعلیم کے لیے تہران گیا تو اپنے طویل قیام کے دوران میں اس نے ڈرامائی طور پر اثنا عشری فرقہ اختیار کرلیا جس کے فوری بعد حوثیوں نے تشدد کا راستہ اختیار کر لیا۔ شروع شروع میں انھوں نے روایتی مکاری وتقیہ سے کام لیکر اپنے حقوق کے حصول کا نعرہ لگایا جو آہستہ آہستہ الگ اور خودمختار ریاست کے قیام میں بدل گیا۔ اور اب وہ پورے ملک پر قبضے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک عشرے سے یمن میں حقوق کے نام پر دہشت گردانہ کارروائیاں





شروع کی ہوئی ہیں۔ علامہ بدرالدین ایک زبردست خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مذہبی جذبات کو استعمال کرنے میں خصوصی ملکہ رکھتا تھا۔ یہ شخص حوثی نوجوانوں کے اندر اپنا اثر ورسوخ بڑھاتا اور پھر انھیں بارہ امامی شیعی دینیات پڑھنے کے لیے تیار کرتا جس کے لیے اس نے ایک ادارہ بنایا ہوا تھا۔ جو ایسے نوجوانوں کے ایرانی مذہبی یونیورسٹیوں میں داخلے کا بندوبست کرتا۔ دوران تعلیم ان حوثی نوجوانوں کو عسکری تربیت دلوائی جاتی اور ان کو اور ان کے اہلِ خانہ کو بھرپور مالی امداد دی جاتی۔ پھر ذہن سازی کر کے شیعی انقلاب کا سپاہی بنا کر یمن بھیج دیا جاتا۔ بدرالدین نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر (غائب) کا داہنا ہاتھ ہے جو اس زمانے میں نکلیں گے۔ اور اعدائے اہلِ بیت (اہل سنت) و نواصب سے قتال کریں گے اور سارے عالم پر حکومت کریں گے۔ چھ سال قبل جب بدرالدین کا قتل ہوا تو اس کا بھائی یحییٰ حوثی حوثیوں کا ذمہ دار بن گیا اور آج وہ یمنی پارلیمنٹ کا ممبر ہے۔ اس تمام گھناؤنے منصوبے کا پشتی بان کوئی صہیونی، ہندو یا فرنگی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اسلام کا ڈھنڈورا پیٹنے والا پڑوسی ملک ایران ہے۔

ایرانی منصوبہ طشت از بام ہوتا ہے

ایران بہت عرصہ تک یمن میں اپنی غیر اخلاقی و غیر قانونی مداخلت کا انکار کرتا رہا جس طرح وہ شام، عراق اور افغانستان کے سلسلے میں انکار کرتا رہا لیکن جلد ہی دنیا کے سامنے اس کے جھوٹ کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ یمنی حکومت نے 2004ء میں جب شدت پسند حوثیوں کا فتنہ فرو کرنے کے لیے کریک ڈاؤن کیا تو اس وقت ان کے پاس سے ایسی دستاویزات برآمد ہوئیں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ ایران نے حوثیوں کو ہر طرح کے خفیف و ثقیل اسلحے کی بڑی مقدار سپلائی کی۔ صنعاء میں قائم ایرانی ہسپتال حوثیوں کو کمانڈ کرنے اور یمنی حکومت کو گرانے کے لیے سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ ہسپتال سے ملنے والی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانی انقلاب کا منصوبہ یہ تھا کہ یمن حکومت کو گرا کر شمالی یمن ''صعدہ'' میں ''شیعی امامی'' حکومت قائم کی جائے۔ اس سلسلے میں حوثیوں کو براہ راست تہران سے احکامات صادر ہوتے تھے۔ اور ایرانی سفارت کار برابر ان کے رابطے میں رہتے تھے۔ تہران و بیروت اور برلن میں ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے برسوں میں بیروت و صنعاء میں ایرانی سفارت کاروں کا دن دہاڑے قتل کیا گیا لیکن افسوس ایرانی قیادت نے اس سے سبق حاصل نہ کیا۔ اسی طرح تہران کے امام جمعہ نے اپنے خطبے میں علی الاعلان یمن کے صدر کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہر صورت میں حوثی قبائل کی امداد جاری رکھیں گے۔ درحقیقت ایران شام کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر یمن میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح سعودی عرب کو گھیرنے کی اپنی دیرینہ مکروہ خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ شمال میں عراق، شمال مشرق میں کویت، مشرق میں بحرین اور سعودی عرب کی شیعہ آبادی کے ذریعے بھی سعودی عرب کے لیے مستقل دردسر پیدا کرتا رہے گا۔ اس طرح ایران کے ہاتھ میں ایک مستقل (بلیک میل یا THREAT) کارڈ ہاتھ آجائے گا جسے وہ جب چاہے سعودی عرب کے خلاف استعمال کر کے خطے میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو جاری رکھ سکے گا۔ راقم نے ماہ جولائی میں ہی کہہ دیا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ کی بدلتی ہوئی سیاسی و داخلی صورت حال کے پیش نظر ایران ضرور یمن سمیت کسی بھی خلیجی ملک میں انتہائی قدم اٹھائے گا کیونکہ مشرقِ وسطیٰ میں ایران کی انتہا پسندانہ خارجہ پالیسی کے خطوط ان کی مذہبی قیادت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

صنعاء کا محاصرہ اور دہشت گردانہ کارروائیاں

لیکن گزشتہ ایک ماہ سے حوثی باغیوں کی ملک دشمن کارروائیوں میں تیزی آئی ہے۔ اور کئی اہم شہروں پر قبضہ کرنے کے بعد ایک ہفتہ سے دارالحکومت صنعاء کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ ملک کو سیاسی، معاشی و سیکورٹی اور معاشرتی طور پر مسلسل عدم استحکام سے دوچار کرنے پر عوام میں روز بروز ان کے خلاف غم وغصہ اور نفرت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ملک کے طول وعرض میں حوثیوں کے خلاف احتجاجی جلوس اور ریلیاں نکلنا شروع ہوگئی تھیں۔ اندرونی حالات کو اپنے خلاف جاتے ہوئے دیکھ کر حوثی باغیوں کے سیاسی سربراہ عبدالملک الحوثی نے حکومت کے





خلاف سول نافرمانی چلانے کا اعلان کر دیا۔ اور پورے ملک کو ہڑتالوں اور مظاہروں سے جام کر دیا۔ اس دوران حوثی باغیوں اور سرکاری فورسز کے درمیان شدید جھڑپیں بھی جاری ہیں۔ 18 ستمبر کو یمن کے دارالحکومت صنعاء کے نواحی علاقے شاملان میں حکومتی فورسز اور باغی حوثیوں کے درمیان جھڑپوں کے دوران اڑتالیس افراد ہلاک ہوئے۔ حوثی شیعہ باغیوں نے دارالحکومت صنعاء کے شمال میں حالیہ مہینوں کے دوران قبضہ کر کے وہاں کے باشندوں کو علاقہ بدر کر دیا ہے۔ اسی طرح ''حوثی شیعہ باغیوں'' نے 19 ستمبر کو صنعاء میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کے بعد سیکورٹی فورسز پر دہشت گردانہ حملے شروع کیے۔ حوثیوں کی طرف سے ان دہشت گردانہ کارروائیوں میں پچھلے کئی ہفتوں سے شدت آتی جارہی ہے۔ حکومت نے مخدوش سیکورٹی صورت حال کی وجہ سے چوبیس گھنٹوں کے لیے تمام بین الاقوامی فضائی کمپنیوں کی پروازوں کو یمن آنے سے روک دیا۔ جبکہ 18 ستمبر کو حوثیوں نے حملہ کر کے 40 کے قریب اسلام پسندوں کو شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ اہلِ سنت کے زیرِ انتظام ایک یونیورسٹی '' جامعہ ایمان'' کا حوثیوں نے کئی روز سے محاصرہ بھی کر رکھا ہے۔ دارالحکومت سے منسلک ائیرپورٹ سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر دراوان، میمون، الجائف اور المعمار کے علاقوں میں اہل سلف اور حوثی دہشت گردوں کے درمیان بھی شدید لڑائی جاری ہے۔ 18 اکتوبر کو صنعاء اور جنوب مشرقی صوبے حضر موت کے شہر المکلا میں دو خودکش کارروائیوں میں بیس فوجیوں سمیت 67 افراد مارے گئے۔ یمن کی سرکاری خبر رساں ایجنسی نے صدر منصور ہادی کا ایک بیان جاری کیا جس میں انھوں نے کہا کہ حوثی باغیوں کی پر تشدد کارروائیوں کی وجہ سے ہمارے چار ہزار افسروں اور جوانوں کی زندگیاں چھین لی گئیں اور 13 ہزار فوجی زخمی ہوئے۔ ہم نے اپنے مخلص دوستوں کی مدد اور کوششوں سے بہت حد تک اس دہشت گردی پر قابو پا لیا تھا لیکن حوثیوں کی ہٹ دھرمی سے ملک تیزی کے ساتھ خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے کیونکہ حوثی حکومت کا تختہ الٹ کر ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

اخلاقی گراوٹ اور ہٹ دھرمی

آخر کار اقوام متحدہ اور دوست ممالک کے تعاون سے 21 ستمبر کو حوثیوں، حکومت اور دیگر سیاسی جماعتوں کے درمیان ایک مفاہمتی سمجھوتے کے تحت نئے وزیراعظم احمد بن مبارک کی نامزدگی پر اتفاق کر لیا گیا اور یہ کہ ملک میں ہر صورت میں امن و امان پیدا کرنے کے لیے حکومت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا جائے گا۔ معاہدہ کے مطابق یمنی وزیراعظم فوری طور پر اپنی کابینہ سمیت مستعفی ہو گئے۔ لیکن چوبیس گھنٹوں کے بعد ہی حوثی شدت پسند حکومتی معاہدے سے مکر گئے اور احمد بن مبارک کو بطور وزیراعظم قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے حکومت سے کسی قسم کے مذاکرات سے بھی انکار کر دیا۔ حوثیوں کی ہٹ دھرمی اور معاہدے کو سبوتاژ کرنے کی بنا پر نامزد وزیراعظم احمد بن مبارک نے عہدہ سنبھالنے اور نئی حکومت کی تشکیل سے معذرت کر لی۔ لیکن اس دوران میں شدت پسند مسلح حوثیوں نے روایتی مکاری و عیاری سے کام لیتے ہوئے دارالحکومت صنعاء کی strategy کے اعتبار سے کلیدی پوزیشنوں، اہم حکومتی مراکز و دفاتر پر قبضہ کر لیا اور اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف صنعاء میں بلکہ جنوبی یمن کے شہروں عمران، الصعدہ اور الجوف میں کئی بنکوں اور دکانوں کو لوٹ لیا۔ سرکاری و نجی املاک کی توڑ پھوڑ کی اور عوام الناس کے ساتھ انتہائی غیر اخلاقی و غیر شائستہ رویہ روا رکھا جس کی بنا پر شدید عوامی ردعمل دیکھنے میں آیا حتیٰ کہ حوثیوں کی حمایت میں لکھنے والے اخبارات نے بھی مسلح حوثیوں کی غنڈہ گردی کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے ''نام نہاد انقلابیوں کی اخلاقی شکست'' سے تعبیر کیا ہے۔ حوثیوں کے انھی سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے وہاں کے تمام میڈیا نے ستمبر کو ''ماہ سیاہ'' قرار دیا ہے۔ یمن کے معروف تجزیہ نگار جمال الاصبحی نے عرب ذرائع ابلاغ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ معاہدے کے باوجود مسلح حوثیوں کا سرکاری تنصیبات پر چڑھ دوڑنا اور نجی املاک کو لوٹنا ریاست کے خلاف باغیانہ سازش ہے جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حوثی پُرامن نہیں رہنا چاہتے بلکہ بیرونی اشاروں پر چلتے ہوئے یمن میں نظام حکومت کو درہم برہم کرنے کی سازش کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

(بقیہ: صفحہ 75 پر)



مشرق وسطیٰ

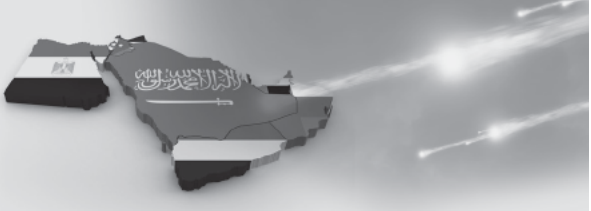
بڑی جنگ کا اکھاڑا بننے والا ہے؟

محمد انیس الرحمٰن

گزشتہ دنوں عراق اور شام کی جنگجو تنظیم داعش نے شمالی شام کے ترکی سے ملحقہ کرد علاقے کوبانی (عین العرب) پر قبضہ جمالیا جس کی وجہ سے یورپ اور ترکی میں موجود کردوں نے شدید احتجاج کیا ہے لیکن اس حوالے سے سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس وقت داعش کوبانی کا محاصرہ کیے ہوئے تھی اس وقت امریکہ اور اس کے اتحادی داعش کے ٹھکانوں پر مسلسل ہوائی حملے کررہے تھے لیکن اس کے باوجود داعش کی پیش قدمی جاری رہی جس کا نتیجہ اس علاقے پر اس کے قبضے کی صورت میں سامنے آیا۔

شام میں اٹھنے والی حالیہ عوامی بغاوت درحقیقت اس عرب بہار کی ایک کڑی ہے جس نے تیونس میں چنگاری کی شکل اختیار کی تھی اور پھیلتے ہوئے تمام شمالی افریقہ سے لے کر مشرق وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ جس وقت شام میں عوامی تحریک نے سر اٹھایا اور ابتدائی دنوں میں جو کامیابیاں حاصل کی تھیں اس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شام پر قابض اسد خاندان کی حکمرانی کے اب چند دن باقی رہ گئے ہیں لیکن اس کے بعد جوں جوں تحریک میں شدت آتی گئی حکومت کی جانب سے دمشق پر گرفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ امریکہ اور نیٹو ممالک اس حوالے سے شام میں جاری بغاوت کے روح رواں افراد کو سیاسی اور عسکری امداد ارسال کرتے رہے لیکن یہ سب کچھ بس اس قدر تھا کہ مزاحمت جاری رہے لیکن مزاحمت کار حکومت کا تختہ نہ الٹ سکیں۔ دوسرے لفظوں میں تباہی کا کھیل جاری رکھا گیا اور فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ آزاد شامی فوج کے علاوہ شام میں موجود دیگر اسلامی گروپوں نے بھی اپنی اپنی شناخت کے ساتھ اس جدوجہد میں حصہ ڈالا۔ ترکی کی سرحد شامی پناہ گزینوں اور باغی فوج کے ارکان کے لیے کھول دی گئی۔ شام اور ترکی سے ملحقہ سرحدی پٹی پر کیمپوں کے علاوہ نئے جنگجوؤں کی عسکری تربیت کے مراکز بھی وجود میں آگئے اور وہ صورتحال نظر آنا شروع ہوگئی جو اسّی کی دہائی کے شروع میں سوویت یونین کے خلاف پاک افغان سرحد پر نظر آیا کرتی تھی لیکن جوں جوں وقت گزرتا رہا بشار حکومت کو روس اور ایران کی جانب سے مکمل تائید حاصل ہوتی رہی۔

اسی اثنا میں شمالی شام سے اسلامی اسٹیٹ برائے عراق اور شام، یعنی داعش نامی تنظیم کا اچانک ظہور ہوتا ہے۔ یہ ایک زلزلے کی مانند شمال کی جانب سے اٹھتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شمالی عراق کو بھی اپنی لپیٹ میں لے کر وہاں اہم شہروں پر قبضہ جما



لیتی ہے۔اس سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کے دماغوں میں شروع میں کئی قسم کے سوالات نے جنم لیا۔ یہ تنظیم آخر کیسے وجود میں آئی؟ اس کے مقاصد اور اہداف کیا ہیں؟ کیا اسے عالمی صہیونی قوتوں نے وجود بخشا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ کے عالمی اسٹیج پر بڑا کھیل کھیل کر اسرائیل کی عالمی سیادت کے لیے راہ ہموار کی جائے؟ یا یہ شام اور عراق کے ان مظلوم اہل سنت مسلمانوں کی نوجوان نسل ہے جس نے صدام کے بعد امریکی نگرانی میں عراق میں قائم ہونے والی فرقہ پرست حکومتوں اور بشار الاسد کے مظالم سے ٹکرانے کے لیے اس کو تشکیل دیا؟

داعش کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دوسری جانب امریکہ کی سرکردگی میں مقامی عرب ملکوں کے ساتھ ساتھ ایک عالمی اتحاد بھی تشکیل پا چکا تھا جس نے داعش کو عراق اور شام میں کچلنے کے لیے کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ مستند عرب صحافتی ذرائع کے مطابق داعش کا اچانک ظہور شمالی شام میں ہوا اور اس نے اچانک تیزی کے ساتھ کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس تنظیم نے دیگر متحارب گروپوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جس سے اس کی قوت میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اس کے بعد اچانک داعش کا شمالی عراق میں ظہور ہوتا ہے اور اس نے عراق کی سرکاری فوجوں کے خلاف تیزی کے ساتھ کامیابیاں حاصل کرنا شروع کر دیں۔ عراق میں سنیوں کے اکثریتی علاقوں میں نوری المالکی کی شیعہ حکومت کے خلاف بھی ردعمل آنا شروع ہو گیا تھا اور مقامی مسلمان بتدریج سیاسی اور عسکری سطح پر اپنی مزاحمت مستحکم کرتے چلے جا رہے تھے کہ داعش نے انھیں بھی آلیا اور انھیں اپنے لیڈر جسے وہ ''خلیفۃ المسلمین'' کہتے ہیں، کی بیعت کرنے کا حکم دیا یا پھر خبردار کیا گیا کہ وہ مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس طرح عراق میں بھی کچھ جگہوں پر یہ صورتحال پیدا ہوئی کہ ان کی سنی علاقوں میں سنی جنگجوؤں کے ساتھ بھی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ شام میں بشار الاسد کی ظالمانہ حکومت کے خلاف جو انقلابی عسکری جدوجہد کر رہے تھے انھیں ایک اور محاذ پر مصروف کر دیا گیا اور اسی طرح عراق میں داعش نے خوفناک کارروائیاں کر کے ساری دنیا کو ہلا دیا۔ ان ساری کارروائیوں کا کس کو فائدہ ہوا؟ لازمی بات ہے مشرق وسطیٰ میں داخلی طور پر شام اور عراقی حکومتوں کو فائدہ ہوا اور مشرق وسطی سے باہر امریکہ اور اس کے صہیونی صلیبی اتحادیوں کو دوبارہ خطے کو آگ اور خون میں نہلانے کا موقع میسر آ گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے دو صحافیوں کی گردنیں جس انداز میں ماری گئیں اس نے مغربی میڈیا کو ایک زبردست ہتھیار تھما دیا اور اس نے تمام دنیا میں واویلا شروع کر دیا کہ اسلام کے نام لیوا اس قسم کے ہوتے ہیں۔ اس صورتحال کے بعد امریکہ کی قیادت میں چالیس ملکوں کا ایک اور اتحاد تشکیل دیا گیا تاکہ دنیا کو اس ''خطرے'' سے نجات دلائی جا سکے اور اس کے نتیجے میں خطے میں کیا کچھ ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کس طرح امریکہ اور اس کے صہیونی صلیبی اتحادی اب مشرق وسطی کے معدنی وسائل اور جغرافیے کا حلیہ بگاڑیں گے۔ اس طرح وہ عرب ملک جو اس مہم میں امریکہ کے ساتھ ہیں، ان کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آئے گا۔

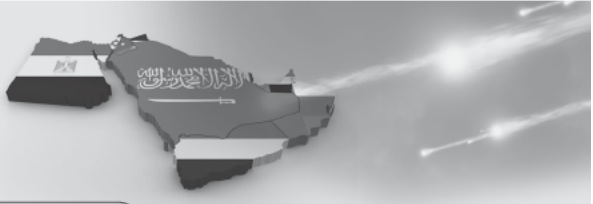
اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے بعض عرب ذرائع شروع میں یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ داعش کی کارروائیوں سے سب سے زیادہ فائدہ بشار الاسد نے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد عراق پر مسلط حکومت اس سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کے پس پردہ کیا مقاصد ہیں؟ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے موجودہ بحران نے عرب بہار کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اس کے کیا مقاصد ہیں اس کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں تاریخ کی پہلی ''عرب بہار'' کی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔ یاد رہے کہ عالم عرب میں آنے والی انقلابی لہر جسے عرب بہار یا عرب اسپرنگ کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، یہ خطے میں پہلی نام نہاد انقلابی کوشش نہیں ہے بلکہ اس سے بہت پہلے یہ ''عرب بہار'' 1917ء میں لارنس آف عریبیہ کی قیادت میں تباہی مچا چکی ہے۔ اسے اس زمانے میں عرب ریوولٹ (بغاوت) کا نام دیا گیا تھا۔ اب ٹھیک ایک صدی بعد 2010ء میں اس کا آغاز تیونس سے کرایا گیا اور لیبیا اور مصر کو اس کی لپیٹ میں لینے کے بعد یہ فتنہ جزیرۃ العرب تک آ پہنچا اور یمن سے لے کر عراق اور شام تک یہ آگ پوری طرح پھیل چکی ہے۔ اس پہلے ''عرب اسپرنگ'' کے تجربے نے ثابت کر دیا کہ اس قسم کی تحریک خطے میں اس وقت شروع کرائی جاتی ہے جس وقت عالمی صہیونی استعمار کو یہاں جغرافیائی تبدیلیاں منظور ہوں۔ ان جغرافیائی تبدیلیوں سے پہلے بڑی جنگیں کرائی جاتی ہیں۔ جس وقت یورپ کا نقشہ بدلنا مقصود تھا تو پہلی جنگ عظیم کرائی گئی اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے



کے بعد اس کے عرب مقبوضات کو مغربی قوتوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ اس کے بعد دوسری عالمگیر جنگ میں رہی سہی کسر نکال دی گئی اور مقبوضہ فلسطین میں اسرائیلی ناسور پیدا کیا گیا۔ عالمی قوتیں اس بات سے اچھی طرح واقف تھیں کہ مشرق وسطیٰ کے قلب میں اسرائیل کی صہیونی ریاست اس وقت تک نہیں پنپ سکتی جب تک کہ مشرق وسطیٰ کے علاقے کو کئی ملکوں میں تقسیم کرکے یہاں کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ نہ کردیا جائے۔ اسی لیے سائیکس پیکو معاہدے (9 مئی 1916ء) کے تحت نئی عرب ریاستوں کا وجود عمل میں لایا گیا تھا جو برطانیہ اور فرانس کی مدد سے تشکیل پائیں اس معاہدے پر برطانیہ کی طرف سے سائیکس اور فرانس کی طرف سے پیکو نے دستخط کیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی خطے کے معدنی وسائل مغربی قوتوں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ اب چونکہ اسرائیل کی عالمی سیادت کا کام انجام دینا مقصود ہے اس لیے خطے کو ایک مرتبہ پھر آگ اور خون میں لوٹا دیا گیا ہے۔

جدید تاریخ میں اس ساری صورتحال کے تناظر میں بڑا موڑ اس وقت آیا جب صدام حسین نے کویت پر فوج کشی کی غلطی کی۔ یہ خطے میں امریکا اور اس کے صہیونی صلیبی اتحادیوں کو باقاعدہ دعوت دینے کی پہلی کوشش تھی۔ نوے کی دہائی میں جس وقت امریکہ اور اس کا صہیونی صلیبی اتحاد نیٹو خطے میں اترا اور عراق پر حملہ آور ہوا تو بغداد کے قریب پہنچ کر امریکہ نے اپنی عسکری مہم کے اختتام کا اعلان کردیا تھا!! ایک ایسے وقت جب صدام حکومت کا خاتمہ سامنے نظر آرہا تھا، امریکہ نے مہم جوئی سے ہاتھ ہٹالیا تاکہ نفرت کی اس آگ کو اگلے دس برسوں تک مزید بھڑکنے دیا جائے۔ اس دوران میں عراق پر بین الاقوامی پابندیاں لگا کر اسے بری طرح تباہی سے دوچار کردیا گیا۔ اب خطے میں مداخلت کے لیے ایک اور بڑے جواز کی ضرورت تھی جو نائن الیون کی شکل میں سامنے آیا اور امریکہ نے اپنے اتحاد کے ساتھ افغانستان کو نشانہ پر لے لیا۔ اس کے بعد عراق پر تباہ کن ہتھیار بنانے کا الزام عائد کرکے عراق پر حملہ کردیا گیا لیکن ان دونوں جگہ نتائج امریکہ کی توقع کے برعکس سامنے آئے۔ لیکن عراق سے جاتے جاتے امریکہ وہاں نفرت کا ایک ایسا بیج بو گیا تاکہ اس کی واپسی کا دروازہ کھلا رہے۔ یہ نفرت کا بیج شیعہ سنی اختلاف کی شکل میں بویا گیا۔ امریکہ نے شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں کو عراق کی حکومت سونپ دی تاکہ لبنان کی حزب اللہ، شام کی بشار الاسد حکومت اور عراق کی شیعہ حکومت کی وجہ سے ایران عربوں کے لیے ایک بڑا خطرہ بنا رہے۔ اسے مسلمانوں کی بدقسمتی کہیں گے کہ وہ تاحال شیعہ سنی کی تفریق میں گھرے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت عرب ملکوں نے شامی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے شامی انقلابیوں کی مدد کی تو ایران اور ایران نواز لبنانی حزب اللہ شام میں بشار الاسد کی حکومت بچانے کے لیے میدان میں کود پڑے۔ یوں عالمی صہیونیت ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو آپس میں لڑانے میں کامیاب ہوگئی۔ بشار الاسد حکومت کا خاتمہ امریکہ اور اسرائیل کو اس لیے منظور ہے کہ بشار حکومت نے بحیرہ روم کی جانب طرطوس کی بندرگاہ تک روسی جنگی بحری بیڑے کو رسائی دی ہوئی تھی جس سے اسرائیل کو براہ راست خطرات لاحق تھے۔ امریکہ اور اسرائیل کی کوشش ہے کہ ''عظیم اسرائیل'' کے قیام کی کوششوں کے دوران میں روس کو خطے سے دور رکھا جائے۔ مسلمانوں کو شام، عراق، یمن اور لبنان میں شیعہ سنی کے نام پر لڑانے کے بعد دوسری بڑی کوشش روس کو خطے میں مداخلت سے باز رکھنا ہے۔ اسی لیے امریکہ نے سب سے پہلے پولینڈ میں میزائل شیلڈ نصب کرنے کی کوشش کی لیکن روس نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد سابق سوویت ریاست جارجیا میں اس قسم کی کوشش کی گئی لیکن روس نے امریکہ اور اسرائیل کو وہاں بھی منہ توڑ جواب دیا۔ اب یوکرین کی جنگ بھی اسی تناظر میں لڑی جارہی ہے تاکہ جس وقت اسرائیل اپنی سرحدوں سے باہر نکل کر عالم عرب کے معدنی ذخائر پر قبضہ جما کر باقی دنیا کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے تو روس اور چین کسی قسم کی مزاحمت نہ کرسکیں۔ باخبر عرب ذرائع اس جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اب امریکہ اور اسرائیل شمالی عراق اور شام پر مشتمل کردستان میں اپنا یہ میزائل سسٹم نصب کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں لیکن اس کام سے پہلے اس خطے میں بڑی خونریزی درکار ہے جس کو انتہا تک پہنچانے کے لیے امریکہ اپنے باقی صہیونی صلیبی اتحادیوں کے ساتھ خطے میں دوبارہ وارد ہوا ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جب داعش کا ظہور اچانک ہوا ہے۔ بعض عرب صحافتی ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ داعش کی تشکیل میں بھی بعض عرب ملکوں



کا ہاتھ تھا لیکن نمو پانے کے بعد یہ تنظیم ان کے ہاتھ سے بھی نکل گئی۔ امریکہ کی اپنے صہیونی صلیبی اتحادیوں کے ساتھ خطے میں دوبارہ آمد کے حوالے سے بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اپنی ہوائی چاند ماری کا مرکز شمالی عراق اور شام کو بنا رکھا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس خطے سے یوکرین کا فاصلہ زیادہ قریب ہے جہاں روس کریمیا اور مشرقی یوکرین کی علیحدگی کے لیے سرگرم ہے جبکہ امریکہ اور نیٹو ممالک روس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ شمالی شام اور شمالی عراق میں لڑی جانے والی اس جنگ کا دائرہ مستقبل قریب میں یوکرین تک وسیع کر دیا جائے۔

❁❁❁❁

بقیہ: یمن میں مجوسیوں کا ناسور

حاصل کلام

اپنوں اور غیروں کی لگائی ہوئی اس آگ کو بجھانے کے لیے خلیج کے اسلامی ممالک نے بارہا یمنی حکومت اور حوثی شیعوں کے درمیان صلح کروائی لیکن جب نیتوں میں فتور ہو تو صلح کی بیل منڈھے کہاں چڑھے گی؟ اب حوثی شیعوں کا قضیہ پر امن اہلِ یمن کے لیے ناسور بن چکا ہے۔ اگر ایک جانب ان کے فتنوں و شر سے ملک میں آگ لگی ہوئی ہے تو دوسری جانب مغربی ممالک اور خاص کر امریکی صہیونی، اسلام دشمنی میں یمن کو جکڑنے اور اس کے خلاف عسکری یلغار کرنے کی تاک میں ہیں۔ اور اس حوالے سے یمن کے خلاف زبردست تشہیر ہو رہی ہے۔ اپنی مکروہ سازشوں کا جال بچھانے اور اپنی فریب کاریوں کو پھیلانے کے لیے مجوسیوں کی یہی تاریخ رہی ہے کہ جب بھی اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں کے خلاف محاذ کھڑا کیا انھوں نے مسلمانوں پر پیچھے سے وار کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام دنیائے اسلام کو ان کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اسلام کے لبادے میں یہ مجوسی اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل انھیں محمد ﷺ کے سپاہیوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھی۔ اور اس سلسلے میں آئے روز عالم اسلام میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فیصلے کو بھلا بیٹھے کہ: ''وہی تو ہے جس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا رسول بھیجا تاکہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اور خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔'' (الصف 9:61)

اللہ کے مہینے کے روزے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔ اور فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز قیام اللیل ہے۔'' (صحیح مسلم: 1163)

رسول اللہ ﷺ سے عاشورہ (دس محرم) کے روزے کے اجر و ثواب بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عاشورہ کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' (صحیح مسلم: 1162)

وضاحت: دس محرم کے ساتھ نو محرم کا روزہ بھی رکھا جائے گا۔ اگر کوئی شخص نو محرم کا روزہ نہ رکھ سکے تو پھر وہ دس اور گیارہ محرم کا رکھے، البتہ نو اور دس کا رکھنا بہتر ہے۔

حافظ آباد کی سوغات سپیشل مردانہ گرم چادریں.....عمدہ اور نفیس رنگوں میں

حافظ کلاتھ ہاؤس ڈاکخانہ روڈ، حافظ آباد 054 - 7520829